مکمل ناول

غزالوں کا جہاں

شازیہ جمال نیر

ولیم پیٹرسن کو اپنے گھر کے مختصر کوریڈور سے ہو کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھتا دیکھ کر اس کے پہلے سے کشیدہ عضلات مزید تن گئے تھے۔ وہ چہرے پر شدید کھچاؤ کے تاثرات لیے تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

فاصلہ چونکہ زیادہ نہیں تھا۔ سو پاٹنے میں مختصر وقت لگا۔

"انکل! کیا آپ میری بات سننے کے لیے دو منٹ رکیں گے پلیز!"

وہ اس کی پکار پر ایڑیاں گھما کے پلٹا تھا آنکھوں میں حیرت کا ہلکا سا رنگ لیے' وہ مضبوط قدموں سے چلتی اس کے عین سامنے آن ٹھہری تھی۔

"میری ماما سے نہ ملنے کے مطالبے کے عوض مجھ سے کیا شرط منوانا چاہیں گے؟" ولیم کی آنکھوں سے جھلکتی الجھن مزید بڑھی تھی۔ وہ نا سمجھی سے اس کے چہرے کو تکتا رہا جو سینے پر بازو باندھے' بہت اطمینان سے اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"میری ماما سے ملنا چھوڑ دیں۔ ان فیکٹ میری ماما کو چھوڑ دیں۔" اس سے زیادہ واضح الفاظ میں وہ اسے سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔

"لیکن کیوں؟" ولیم کی آنکھوں کے نیلے کانچ ناگواری سے چمکے تھے۔

"مجھے آپ کا ان سے رابطہ رکھنا پسند نہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"لیکن مجھے ہے۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"تمہارا اعتراض بے جا ہے۔ مجھے لگتا ہے تمہیں خود بھی اس بات کا احساس نہیں کہ تم اس وقت کتنی فضول بات کر رہی ہو۔"

"اور اگر اس قسم کی فضول بات آپ سے آپ کی "موجودہ" فیملی کرے تو؟"

"ہمارے ہاں دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی سے گریز کر کے وسیع القلبی اور فراخ ذہنیت کا ثبوت دیا جاتا ہے۔"

"اوہ! مطلب آپ کے ہاں فیملی کی کوئی اہمیت نہیں۔" اس نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔

"فیملی؟"

"جی جناب! اگر آپ کا کوئی فیملی ممبر تفریحاً ہی کسی ٹاور پر کھڑا ہو کر نیچے چھلانگ لگانے کا ارادہ رکھتا ہو اور آپ اسے دیکھتے ہوئے یہ سوچ کر گزر جائیں کہ مجھے اس کے معاملے میں دخل اندازی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی مرضی بھلے جیے یا مرے۔ اس کا تو یہی مطلب نکلتا ہے نا کہ آپ کے نزدیک سرے سے فیملی کی ہی کوئی اہمیت نہیں۔"

اس نے بہت سکون سے اپنی بات مکمل کر کے سامنے والے ادھیڑ عمر مرد کا سکون رخصت کیا تھا۔

"تمہاری خواہش کے پس پردہ سوچ کا بے تکا پن میں فی الحال سمجھنے سے قاصر ہوں۔ حالانکہ میرین، لنڈا سوزا اور کیتھرین وغیرہ کی طرح تمہاری ماں میری دوست ہی ہے اور اگر ہم ایک دوسرے کی کمپنی میں اچھا وقت گزارتے ہیں تو میرا نہیں خیال تمہیں یہ بات بری لگنی چاہیے۔"

"میں سارا سیٹ اپ تبدیل کرنے پر تو قادر نہیں' البتہ جو میرے دائرہ اختیار میں ہے وہ ضرور کروں گی۔" اس کا لہجہ اب بھی ہموار تھا اور انداز مناسب' لیکن مقابل کو شاید یہ دونوں ہی پسند نہیں آرہے تھے۔

"بہت محدود سوچ ہے تم لوگوں کی۔" وہ کلس کر بولا تھا۔

"ہاں محدود' لیکن اچھی! ہمیں حدیں توڑنا پسند نہیں ہے نا۔" وہ جان بوجھ کر مسکرائی تھی اور ولیم پیٹرسن اسے خونخوار نظروں سے گھورتا واپس مڑ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بات تو کچھ خاص نہیں تھی۔ بلکہ وہی کچھ ہوا تھا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور شاید ہوتا رہے گا۔ لیکن کچھ تھا ایسا جس نے ننھی میر کے اندر کی مشرقی عورت کو بے دار کر دیا۔ جس نے اس کی سوچ' احساسات' دل'

یہاں تک کہ زندگی تک بدل دی۔ کچھ تو ایسا خاص تھا بہر حال۔

وہ ہمیشہ کی طرح جودت رائے کی برتھ ڈے پر اسے کوئی خاص تحفہ دینے کے لیے پر جوش ہو رہی تھی اور اسی جوش میں اس نے اس کے شایان شان تحفہ خریدنے کے لیے پورے چار گھنٹے مارکیٹ میں صرف کیے تھے۔

جودت سے اس کی شناسائی اور شناسائی سے پھر دوستی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ لیکن وہی اس کی خود سے وابستہ رشتوں کو اہمیت دینے والی عادت۔ وہ اس سرد ملک کی اسی فیصد روکن فیملیز میں سے ایک سے تعلق رکھتا تھا۔ جودت اس کی کس چیز سے متاثر ہوا وہ نہیں جانتی تھی' لیکن وہ یقیناً" اس کی ذہانت سے ہی متاثر ہوئی تھی۔

"یو آر لکنگ سو گار جنیس!" اس نے تھوڑا سا قریب ہو کر آئینے میں ابھرتے اپنے دلکش عکس کو دیکھا تھا۔ نائٹ فنکشن کے حساب سے اس کی تیاری پرفیکٹ تھی۔ تب ہی اچانک ماما کے ہونے والے معمولی ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر وہ اتنی حواس باختہ ہو گئی کہ اگلے دو دنوں میں اسے کسی اور چیز کی طرف دھیان دینے کا خیال ہی نہیں آیا۔ لیکن تیسرے دن ماما کو ہشاش بشاش آفس کے لیے تیار ہوتا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ تب اسے یاد آیا وہ جودت کی برتھ ڈے پارٹی مس کر چکی ہے۔ "اوہ! جودت نے اسے کتنا مس کیا ہو گا۔" اس خیال کے آتے ہی اس نے سیل فون اٹھا کر ان باکس چیک کیا۔ لیکن جودت کے نام کا نہ تو کوئی ٹیکسٹ موجود تھا اور نہ ہی کوئی مسڈ کال! "وہ یقیناً" مجھ سے خفا ہو گا اور ہونا بھی چاہیے۔"

وہ اس سے ملنے اور برتھ ڈے پارٹی میں نہ آسکنے کی وجہ جتانے کے لیے گفٹ پیک سنبھالتی اس کے اپارٹمنٹ چلی آئی۔ لیکن یہاں آکر اسے پتا چلا کہ جودت اس وقت تنہا نہیں ہے کیرولین اس کے ساتھ تھی۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے ادھ کھلے دروازے پر ٹھہر سی گئی۔ شاید اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ غیر ارادی طور پر کسی کی پرائیویسی میں مخل ہونے کے بعد اسے کیا کرنا چاہیے؟

اس پر نگاہ پڑتے ہی کیرولین کی سفید چمڑی تن سی گئی اور کانچ سی نیلی آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

"ہائے زی!" جودت اٹھ کر اس کی جانب آگیا تھا جبکہ کیرولین چہرے پر ناگواری کے تاثرات لیے اپنا پرس اٹھاتی کھڑی ہو گئی۔

"اوکے! جودت! آئی تھنک آئی ہیو ٹو گو ناؤ۔" جودت سے "الوداعی مصافحہ" کر کے دروازے پر ایستادہ ضحیٰ کو نظر انداز کرتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" جودت نے اس کے ہاتھ میں تھامے گفٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تمہارا برتھ ڈے گفٹ!" ضحیٰ کا ذہن اس لیے کہیں اور الجھا تھا اور ذہن کا انتشار اس کی نگاہوں کا ارتکاز منتشر کر رہا تھا۔

"اوہ! ایک اور گفٹ" جودت کے سیاہ پڑتے ہونٹ بے ساختہ پھیلے تھے۔

"ایک اور؟" ضحیٰ بڑبڑائی۔

"جودت! اس رات پارٹی میں۔"

"وہ رات بلاشبہ ایک حسین رات تھی۔ ایکچولی! مجھے یہ کہنے دو کہ اس رات مجھے پارٹی میں مزا آیا بھی صرف تمہاری وجہ سے تھا۔" ضحیٰ کا منہ مارے حیرت کے کھل گیا۔

"میری وجہ سے؟"

"حالانکہ لیزا اور کیتھی نے اپنی طرف سے خوب رونق لگائی تھی۔ لیکن جو سرور مجھے تمہاری موجودگی نے بخشا ہے وہ کسی اور میں کہاں؟" وہ اس کے تاثرات سے بے خبر اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر ضحیٰ کے قدم دو انچ پیچھے سرکے تھے۔

"لیکن میں تو پارٹی میں آئی ہی نہیں تھی۔" وہ بے ساختہ انداز میں قدرے اونچی آواز میں بولی تھی۔ جودت ایک دم چپ ہو گیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"واٹ اے ڈونٹ ٹیل می یار!"

"تم ایم ناٹ جوکنگ۔ جودت! میں واقعی پارٹی میں نہیں آئی تھی۔" اب کی بار اس کا لہجہ کچھ بدل سا گیا تھا۔ جودت چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"اس رات اچانک میری ماما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس لیے میں پارٹی میں نہیں آسکی۔"

"تو پھر۔" "جودت کو لگا وہ سچ کہہ رہی ہے۔"

"تو پھر وہ میڈی ہو گی جسے میں ضحیٰ سمجھ رہا تھا۔" اب کی بار اس کا انداز کھسیاہٹ لیے ہوئے تھا۔

"میں بھی کہوں ضحیٰ میرے ساتھ ایک دم سے مجھ پر مہربان کیسے ہو گئی۔" دوسرے لمحے اس نے کھسیاہٹ کو معنی خیزی کا لبادہ اوڑھا دیا۔ ضحیٰ کے دیکھنے کا انداز نہیں بدلا تھا لیکن اور بہت کچھ بدل گیا۔

"اوکے! فارگیٹ اٹ' رات گئی بات گئی کھڑی کیوں ہو' اندر آجاؤ نا۔" جودت کا لہجہ اور انداز دونوں نارمل تھے اور نارمل ہی ہونے چاہیے تھے۔ ادراک کا لمحہ تو اس کی زندگی میں آیا تھا جس نے آگہی کے کئی در وا کر دیے۔ وہ گہری سانس کھینچتی اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"میرا نہیں خیال کہ میرے یہاں رکنے کا کوئی جواز ہے۔" وہ دو قدم مزید پیچھے ہٹی اور پلٹنے ہی لگی تھی کہ جودت کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری۔

"تم اپنے ابنارمل رویے کی وضاحت دینا پسند کرو گی؟"

"میری وضاحت سے تمہاری تشفی نہیں ہو گی سو رہنے دو۔" اتنا کہہ کر وہ باہر نکل آئی تھی۔

اس کا نارمل رویہ جودت کو ابنارمل لگا تھا تو پھر وضاحت پیش کر کے کیونکر اس کی تشفی کرا سکتی تھی۔ بعض اوقات الفاظ بہت قیمتی ہوتے ہیں اتنے کہ سامنے والے کی ذہنیت کو سمجھتے ہوئے آپ انہیں لٹانے سے گریز کرتے ہیں۔

وہ جس جودت کو دوست سے بڑھ کر سمجھنے لگی تھی اس کے نزدیک میڈی اور ضحیٰ میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ضحیٰ نہ سہی تو کوئی میڈی اس کی کمی بہت آسانی سے پوری کر سکتی ہے۔ بس اتنی سی اہمیت؟ وہ جو ہر رشتہ مکمل اور بھرپور چاہتی تھی اس قدر ادھورے کھوکھلے رشتے کے ساتھ بھلا کیونکر زندہ رہ پاتی۔ تنگی سرد بنچ پر گھنٹوں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماما آج آفس سے جلدی واپس آگئی تھیں اور اس وقت فریش ہونے کے بعد کھانے کی ٹیبل پر ضحیٰ کی منتظر تھیں۔

"واؤ ماما! کتنا اچھا لگ رہا ہے یہ سب۔ آپ اور میں نجانے کتنے دنوں بعد ایک ساتھ کھانا کھا رہے ہیں نا؟" وہ گرم جرسی سے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتی اپنی مخصوص کرسی کھینچ کر ان کے مقابل بیٹھ گئی۔

"وہ سب کیا تھا ضحیٰ؟" اس کا سلاد کی پلیٹ کی جانب بڑھتا ہاتھ رک گیا تھا۔

"کیا؟" ماما اس کی جانب دیکھ رہی تھیں اور اسے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید خفگی نظر آئی تھی۔

"ولیم کی انسلٹ کرتے ہوئے تم نے کچھ سوچا تھا؟"

"انسلٹ؟" اس نے آہستگی سے دہرایا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں نے ان کی کوئی انسلٹ نہیں کی۔ بلکہ ان سے بات کرتے ہوئے اس سے زیادہ مہذب الفاظ میں استعمال کر بھی نہیں سکتی تھی جو میں نے کیے۔"

"تم نے اسے کہا وہ مجھ سے ملنا ترک کر دے؟" ماما نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھا۔

"بالکل میں نے ایسا کہا۔"

"کیوں؟" ماما چیخی تھیں۔

"ماما! آپ جانتی ہیں وہ اس وقت اپنی فیملی اور آپ دونوں کو چیٹ کر رہا ہے؟" اس نے چمچ سے چاول ادھر ادھر گھماتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ وہ اپنی زبان کی تیزی اس ماں پر نہیں آزمانا چاہتی تھی جس نے اسے بولنا سکھایا تھا۔

"ایک دم فضول بات ہے یہ" ماما نے ناک پر سے

بھی اڑائی تھی۔
"ماما! وہ آپ کی کمپنی میں انجوائے کرتا ہے لیکن یہاں سے اٹھ کر جانے کے بعد اسے آپ کا نام تک یاد نہیں رہتا ہوگا۔ اسے صرف اس وقت آپ کی یاد آتی ہے جب اسے آپ کی ضرورت ہو۔ کیا یہ انسلٹنگ نہیں ہے ماما؟ اور کسی کی نظر میں نہ سہی لیکن انسان کی نظر میں تو اس کی اپنی اہمیت ہونی چاہیے نا؟"
ماما بہت حیرت سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہی تھیں۔ جو اپنی بات مکمل کرکے چہرہ نیچے کیے شاید خود پر کنٹرول پانے کی سعی کر رہی تھی۔ اسے اپنا چہرہ تپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
"خمی! تم... یہ پاکستان کی ٹپیکل عورتوں والی سوچ تمہارے اندر کہاں سے آگئی؟" خمی نے ایک دم جھکا سر اوپر اٹھایا تھا۔
"پاکستان کی عورتیں بھی ایسا سوچتی ہیں؟" اسے اپنی آواز کھنکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی لیکن ماما نے شاید غور نہیں کیا تھا۔ جب ہی نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے بولیں۔
"ہاں! سرخ حویلی میں ایسی سوچ رکھنے والی عورتوں کی کمی نہیں تھی۔" ان کا لہجہ استہزائیہ تھا پھر دوسرے ہی لمحے سر کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"بہرحال! یہ امریکہ ہے میری جان! اگر یہاں ایسی باتیں سننے کو ملیں تو سامنے والا "کڈز جوک" کہہ کر گزر جائے گا۔" نفاست سے پلیٹ میں کھانا نکالتیں وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں، جبکہ خمی حسب عادت گرم جوشی سے ہاتھ آپس میں ملتی خوشگواری سے سوچ رہی تھی۔
"پاپا کی سرزمین کی عورتیں بھی ایسا سوچتی ہیں!"

☼ ☼ ☼

اور اس کا اگلا مطالبہ انہیں سر تاپا ہلکانے کے لیے کافی تھا۔ حیرت کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے بول نہیں پائی تھیں جبکہ خمی ان کی حیرت کو نوٹ تو کر رہی تھی لیکن ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
"وہ خمی! کیا مجھے یہ کہنا چاہیے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے؟"
"ماما!" اس نے خاصی ناراض نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔
"اس میں دماغ چلنے والی کون سی بات ہے؟"
"تو تمہیں لگتا ہے، تم بہت عقل مندانہ بات کر رہی ہو؟ ہم یہاں سیر تفریح کے لیے نہیں آئے کہ جی کام ختم تو واپس، پورا بزنس سیٹ کر چکے ہیں۔ ہمارا گھر، بزنس سب کچھ یہیں پر ہے اور تم چاہتی ہو ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے؟" انہوں نے غصے سے سر جھٹکا تھا پھر پانی کا گلاس بھر کر لبوں سے لگا لیا۔
"میں یہ نہیں کہہ رہی سب کچھ اچانک چھوڑ کر چلے جائیں۔ آہستہ آہستہ بھی تو سب کچھ وائنڈ اپ ہو سکتا ہے نا اور ویسے بھی وہاں بھی تو آپ کا گھر ہی ہے سچ پوچھیں تو آپ کو تو یہ فیصلہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ یہاں ہمارا ہے ہی کون سگا؟ یہ فیشنی لوگ جن کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں ہمارے کچھ نہیں لگتے۔ مجھے ان لوگوں کے بیچ اپنی زندگی نہیں گزارنی۔"
اس کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ ماما ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھیں وہ جو یہ سمجھ رہی تھیں کہ خمی نے محض گپ چھوڑی ہے درحقیقت اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ اتنی گہرائی تک سوچے بیٹھی ہے۔
"یہ ممکن نہیں ہے بیٹا! تم نے اپنی زندگی کے انیس میں سے سولہ سال تو یہیں گزارے ہیں۔ پھر تمہیں اس سب کا عادی ہو جانا چاہیے تھا اور ویسے بھی تم نے صرف پاکستان کا نام سن رکھا ہے۔ وہاں کے مسائل سنو گی تو اپنا وہاں جا کر رہنے کا فیصلہ تمہیں خود ہی احمقانہ لگے گا۔" اب کی بار ان کا لہجہ رسانیت لیے ہوئے تھا۔ خمی نے اس وقت دانستہ خاموشی اختیار کر لی تو انہیں لگا وہ اس کی بات سمجھ گئی ہے، لیکن یہ

جلد ان کی خام خیالی دور ہو گئی اور ہر گزرتے دن نے انہیں احساس دلایا کہ ان کی بچی ضد کرنے پر آئے تو اپنی ماں کی مشہور زمانہ ضدی طبیعت کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔ پاکستان کے بگڑے حالات کے ڈراوے، یہاں کی آزادی، منظم زندگی کے فوائد وقتاً فوقتاً دہرانے کے بعد بھی بے اثر گئے تھے۔
اور جس رات وہ خالی پیٹ انہیں شب بخیر کہے بغیر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تب انہیں لگا اس کی بات ماننے کے سوا ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں رہا کیونکہ خمی میران کی زندگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ماما! مجھے اپنی ایک الجھن آپ سے شیئر کرنی ہے۔"
صالحہ بیڈ پر ڈھیر سارے کاغذات پھیلائے آنکھوں پر نسری کمان والی عینک لگائے بری طرح مصروف تھیں اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد پھر سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"میں سوچ رہی تھی ماموں کی فیملی کے لیے کچھ شاپنگ کروں، لیکن مجھے اس سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" وہ ان کے قریب ہی بیڈ پر آرام دہ انداز میں بیٹھ گئی۔
"تم میری مصروفیت کا اندازہ لگا سکتی ہو خمی! اس لیے خود ہی یہ کام نبٹاؤ۔" انہوں نے مصروف انداز میں جواب دیا تھا۔
"لیکن مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ہے ان کے بارے میں شاپنگ کرنے کا۔" اس نے یونہی ایک فائل اٹھا کر اس کے صفحے الٹنا پلٹنا شروع کر دیے تھے۔
"آئیڈیا ہو بھی تو کیسے تم کون سا ان سے ملی ہو؟" انہوں نے عینک اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور قدرے تھکے تھکے انداز میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔ خمی کے آنے سے ان کی توجہ بٹ گئی تھی۔
"آپ تھک گئیں ماما!" خمی نے فائل ایک طرف رکھ کر محبت سے ان کی بند آنکھوں والے تھکے ماندے چہرے کو دیکھا تھا اور بیڈ پر پھیلے کاغذات سمیٹ کر ترتیب سے رکھنے لگی۔
"جانتی ہو خمی! جب تمہارے پاپا کا انتقال ہوا تب انہوں نے اس بزنس کی صرف بنیاد رکھی تھی۔ آج بزنس کو اس مقام تک پہنچانے کے لیے میں نے بے انتہا محنت کی ہے، لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اگلے کچھ سالوں میں شاید میں اس بزنس کو اتنا ٹائم، اتنی توجہ نہ دے پاؤں، اس لیے میں تم سے توقع کر رہی تھی کہ تم ہی یہ سب سنبھالو گی۔ ان فیکٹ میں نے تو یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ کسی اچھے سے لڑکے سے یہیں تمہاری شادی کرکے خود کو تھوڑا سا ٹائم دوں گی میں ریلیکس ہونا چاہ رہی تھی، لیکن تمہاری اس ضد اور خواہش کی وجہ سے مجھے اپنا برسوں سے بنا بنایا ذہن چینج کرنا پڑا۔"
"ماما!" خمی نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔
"پلیز ماما! پریشان مت ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں ایک وقت آئے گا جب آپ کو پاکستان جانے کا فیصلہ بالکل درست لگے گا۔" ان کے کندھے پر سر ٹکاتی وہ یقین سے بولی تھی۔ صالحہ نے ذرا سی آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور اپنا دوسرا بازو اس کے گرد پھیلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"رزی! تم پاکستان جا رہی ہو؟"
میڈونا کو پتا چلا تو وہ مارے حیرت کے چیخ ہی تو پڑی۔ اسے یہ نیوز جودت نے سنائی تھی۔ تب اسے یقین نہیں آیا تھا سو خمی سے مل کر کنفرم کرنے کو ترجیح دی اور خمی کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ تاسف سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"تم اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو؟ میرے پیرنٹس کا تعلق پاکستان سے ہے تو اس حساب سے وہ میرا بھی وطن ہے۔ تو کیا اپنے وطن میں جا کر رہنے کی خواہش کا اظہار کرنا اتنی ہی غیر معمولی بات ہے جو تم یوں اوور ری ایکٹ کر رہی ہو؟" اس کے ناراض لہجے پر میڈونا

CamScanner

اپنے سر کو خفیف جنبش دیتے ہوئے بولی۔

"میں جب بھی پاکستان کے حالات کے بارے میں کچھ سنتی ہوں تو یہی سوچ ذہن میں آتی ہے کہ لوگ اتنے خراب حالات میں' اتنے ڈھیر سارے مسائل کے ساتھ وہاں رہ کیسے رہے ہیں؟" اس نے گویا اپنے ردعمل کی وضاحت دی تھی۔

"کیسے حالات' کون سے مسائل؟"

منحیٰ نے دونوں بازو سینے پر باندھ کے بہت اطمینان سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت رات کے پہلے پہر صاف شفاف سڑک پر سست روی سے چلتیں' دونوں اطراف میں بنی دکانوں کے شوکیس میں سجی اشیا پر بھی ایک آدھ نظر ڈال لیتیں۔

"بم بلاسٹ' لوڈ شیڈنگ' بے روزگاری بلکہ میں نے تو یہ بھی سن رکھا ہے کہ وہاں کبھی بھی ہنگامی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے ایسے میں گھر سے نکلے شخص کو یقین نہیں ہوتا کیا وہ بخیر و عافیت گھر پہنچے گا بھی یا نہیں؟"

"میڈونا! تمہارے پاس اس وقت لائف سرٹیفکیٹ ہے، جس پر درج ہو کہ تمہارے ساتھ آج کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آئے گا اور تم بخیر و عافیت گھر پہنچ جاؤ گی؟"

"نہیں' وہ ایک جھوٹی۔۔۔!" میڈونا قدرے گڑبڑائی تھی۔

"اس پوری کائنات میں کسی کے پاس بھی اس بات کی شیورٹی نہیں ہے' کیا یہاں گولیاں نہیں چلتیں' کرپشن نہیں ہوتی' بم بلاسٹ نہیں ہوتے' پیرنٹس کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی جاتی یا ہر بندہ شاندار سی سیٹ پر جاب کرتے ہوئے بہترین زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے؟ بات دراصل یہ ہے میڈونا ڈیئر! کہ مسائل ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اچھی صورت حال کو بگڑتے' بگڑی کو سنورتے دیر نہیں لگتی پھر کیوں سب کے لیے پاکستان کے مسائل ہی کیوں؟ کیوں لوگ پاکستان کو کائنات کا عضو معطل ثابت کرنے پر تلے ہیں؟"

اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا اور چہرے کی سفید رنگت معمول سے ہٹ کر بے حد سرخ' میڈونا نے سر جھکا لیا تھا اب اس کی نظریں تارکول کی سیاہ شفاف سڑک پر آگے بڑھتے اپنے قرمزی اور منحیٰ کے سرخ جوتوں پر بھٹک رہی تھیں۔ جب وہ بولی تو اس کی آواز پست تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو منحیٰ! لیکن۔۔۔ میں نے تو یہ بھی سن رکھا ہے کہ پاکستان میں مرد چار چار شادیاں کرتے ہیں۔"

"کیا سارے پاکستانی مرد؟" منحیٰ نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"سارے۔۔۔ شاید سارے تو نہیں صرف وہی۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی کیونکہ بات پوری کرنے کے لیے اس کے پاس پوری معلومات نہیں تھیں۔

"جب تمہیں ان کے چار چار شادیاں کرنے کے عمل کے پیچھے کار فرما وجوہات کا پتا چل جائے تب مجھے بتانا تم اس عمل کو کس کیٹیگری میں رکھتی ہو۔"

"اوں ہوں!" میڈونا نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ادھوری معلومات ہمیشہ ناقص ہوتی ہیں اور میں آدھی ادھوری معلومات کے بل بوتے پر کسی کے بارے میں غلط رائے قائم نہیں کرنا چاہتی۔"

میڈونا کی بات پر منحیٰ کھل کر مسکرائی تھی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے دباتے ہوئے بولی۔

"اندازے لگانا برا نہیں' لیکن اس حد تک کہ ان سے کسی دوسرے کا وقار' اس کی عزت مجروح نہ ہو۔"

☼ ☼ ☼

"ماما! ہم پاکستان میں رکیں گے کہاں؟ ماموں کے ہاں یا پھر پاپا کی حویلی؟" صالحہ کی گود میں سر رکھے چینل سرچ کرتی وہ اچانک پوچھنے لگی تھی اس کے بالوں میں حرکت کرتی صالحہ کی انگلیاں لمحہ بھر کے لیے تھم گئی تھیں پھر وہ گہری سانس کھینچتی ہموار لہجے میں

کہنے لگیں۔

"حویلی والوں سے میرے تعلقات کبھی بھی خوشگوار نہیں رہے۔ حقیقت تو یہ ہے انہوں نے کبھی بہو کی حیثیت سے مجھے قبول ہی نہیں کیا تھا اور پھر ہمارے یہاں سیٹل ہونے کا فیصلہ انہیں بہت ناگوار لگا تھا وہ تو تمہارے پاپا تھے جو میری خاطر ان کے سامنے فیصلے لے لیے' لیکن ان کے چلے جانے کے بعد تو گویا وہ باب ہی بند ہو گیا نہ تو حویلی والوں سے کوئی رابطہ رہا اور نہ ہی رشتہ۔"

منحیٰ ایک جھٹکے سے اٹھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔ ماما پہلی بار اس سے حویلی کے متعلق کچھ شیئر کر رہی تھیں۔ ورنہ تو ان کی باتوں میں پاکستان میں مقیم رافعہ ممانی لوگوں کا ذکر ہوتا تھا۔ زاہد ماموں کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے معاشی حالات کچھ اچھے نہیں تھے' وہ اکثر فون پر اپنے تنگی حالات کا رونا روتی رہتیں اور ماما انہیں ہر ماہ خطیر رقم پابندی سے بھیجتی تھیں۔

یہ سب تو وہ ہمیشہ سے سنتی آئی تھی چونکنے کی بات تھی کہ ماما نے پہلی بار اس کے سامنے حویلی سے متعلق لب کشائی کی تھی۔ وہ یہ لمحہ غنیمت جانتے ہوئے پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"لیکن ماما! رابطہ نہ رکھنے سے رشتے تو نہیں ٹوٹ جایا کرتے' ہم ان کے خاندان کا حصہ ہیں' اس حویلی کا تعلق پاپا سے ہے تو ہم کیسے اس سے لاتعلق ہو سکتے ہیں۔" ماما کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرتکز تھیں' منحیٰ نے ہمت نہیں ہاری۔

"ماما! ہم رافعہ ممانی کے ہاں کب تک رہ سکتے ہیں؟ حویلی میں رہتے ہوئے ہمیں کم از کم خود کو مہمان تصور نہیں کرنا پڑے گا۔ بے شک' بہت سا وقت بیت گیا' لیکن رشتے کوئی کچی ڈور تو نہیں ہوتے جو اتنی کمزوری سے ٹوٹ جائیں اور اگر کوئی غلط فہمی ہے بھی تو وہ دور کی جا سکتی ہے۔"

ماما کی نظروں کا ارتکاز ٹوٹ گیا تھا۔ وہ گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

"یہ ابھی قبل از وقت ہے' وہاں جا کر ہی پوزیشن کا پتا چل سکتا ہے۔ بہرحال تم فکر مت کرو' میرے نزدیک تمہاری خوشی مقدم ہے۔"

☼ ☼ ☼

اور ماما نے سچ کہا تھا پوزیشن کا پتا وہاں جا کر ہی چل سکتا ہے انہیں ایئرپورٹ پر ریسیو کرنے رافعہ ممانی' ارسل اور سدرہ آئے تھے جبکہ مومن اور علشبہ نے گھر پر ہی رہ کر ان کے استقبال کو مناسب سمجھا تھا۔

اسے ماموں کی ساری فیملی ہی اچھی لگی تھی۔ سب نے ان سے خوب محبت اور لگاوٹ کا اظہار کیا تھا۔ وہ یہاں آ کر خوش تو تھی' لیکن مطمئن نہیں' کچھ تھا ایسا جو اسے Irritate کر رہا تھا' لیکن کیا' تاحال وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

رافعہ ممانی کے اپنی تنگدستی اور بے بسی کے وہی قصے جو وہ فون پر سنایا کرتی تھیں اب بھی شد و مد سے جاری تھے۔ حالانکہ یہاں پر کوئی ایسی صورت نظر نہیں آ رہی تھی جو ان کے کہے پر مہر تصدیق ثبت کرتی الٹا منحیٰ کو تو حیرت ہی ہو رہی تھی۔

اتنا شاندار سا دو منزلہ گھر' ایک ہی وقت میں پکنے والے مختلف انواع کے کھانے' لباس' کراکری' الیکٹرک کا سامان غرض ہر چیز پرفیکٹ تھی اور یہ سب کچھ اس کے تصور کے برخلاف ہی تھا۔

شاید کچھ لوگوں کو عادت ہوتی ہے اپنی خود ساختہ مجبوریوں کی داستانیں سنا کر دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی۔ رافعہ ممانی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی گویا اس خیال کو جھٹکنے کی سعی کی ہو۔

اسے ارسل کا اپنے ارد گرد غیر ضروری منڈلانا کوفت میں مبتلا کرنے لگا تھا۔ حالانکہ اس کی شخصیت بہت متاثر کن تھی اور ڈریسنگ غضب کی' لیکن گفتگو! چند ایک مرتبہ اس نے اتنے عامیانہ انداز و الفاظ میں منحیٰ کی تعریف کی کہ وہ کچھ دیر کے لیے بول نہیں پائی تھی۔ شاید اسے ارسل سے اس بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ اسے اپنا چہرہ تپتا ہوا محسوس ہوا مزید کسر

CamScanner

سدرہ اور علشبہ کی معنی خیز ہنسی نے پوری کردی۔

حنی نے محسوس کیا کہ ارسل کے ساتھ اس کی موجودگی پر دونوں بہنیں عجیب معنی خیز فقرے اچھالتیں' جواباً" ارسل مصنوعی غصے سے انہیں گھورتے ہوئے کبھی کان کھجانے لگتا یا پھر ہنس پڑتا جیسے کوئی طے شدہ پلاننگ ہو!

حنی بہت من موجی قسم کی لڑکی تھی۔ اسے ایک دم سب کا یوں سر پر سوار ہونا حواس باختہ کر گیا تھا۔ مزید رافعہ ممانی صالحہ کو سارا وقت یوں باتوں میں الجھائے رکھتیں کہ اسے ماما سے اکیلے میں بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈنا پڑتا۔

اب بھی حنی اپنے لیے چائے بنانے کچن میں آئی تو تھوڑی ہی دیر بعد اسے اپنے علاوہ یہاں کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے یونہی گردن گھما کر دیکھا دروازے میں ایستادہ ارسل اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر مسکراتے ہوئے اندر آگیا۔ نجانے وہ کب سے وہاں کھڑا تھا۔ حنی سر جھٹکتی چائے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"چائے بنا رہی ہو؟ میرے لیے بھی ایک کپ بنا دو۔"

وہ کرسی کھینچ کر اس سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا اور کمال بے تکلفی سے ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل اٹھالیا۔ حنی کے ماتھے پر ناگواری سے شکن ابھری تھی۔ اس نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"او ہو! ہمارا کچن تو آج پکنک اسپاٹ کا منظر پیش نہیں کررہا؟"

علشبہ اندر داخل ہوتے ہی آنکھیں مٹکاتی ذو معنی لہجے میں بولی تھی۔ ارسل اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا پھر ہنسی روکتے ہوئے قدرے ڈپٹنے کے سے انداز میں بولا۔

"تمہارا ہر وقت بیچ میں ٹپکنا ضروری ہوتا ہے؟" لیکن جلد ہی دونوں کو احساس ہوگیا کہ حنی تو ان کی طرف متوجہ ہی نہیں' سو خود ہی بحث سمیٹ کر ایک طرف رکھ دی۔

علشبہ پانی کی بوتل فریج میں رکھنے کے بعد ارسل کی کرسی کی بیک تھام کر کھڑی ہوگئی۔ نظریں ارسل کے ہاتھوں میں دبے حنی کے نیو موبائل کی اسکرین پر تھیں۔ جہاں وہ حنی کی مختلف تصاویر انگوٹھے کی مدد سے اوپر نیچے کر رہا تھا۔

"حنی! یہ تمہارے ساتھ لڑکا کون ہے؟ بھورے بالوں والا جس نے ایک کان میں بالی پہن رکھی ہے۔"

علشبہ کے استفسار پر اس کا ہاتھ لمحہ بھر کو تھما تھا پھر وہ نارمل لہجے میں بولی۔

"جورڈن ہے' میرا دوست۔"

"لگتا ہے بہت قریبی دوست ہے تمہارا؟" علشبہ نے چڑانے کے سے انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑے تھے۔ حنی ایک دم اس کی جانب گھومی اس کے یوں براہ راست دیکھنے پر علشبہ کے لبوں میں دبا ایک ادھورا فقرہ بھی پھسل پڑا۔

"تصویروں سے تو یہی لگ رہا ہے۔" "اور حنی کی بے تکلفی کی اس حد کے آگے اور کچھ نہیں۔"

"میرا موبائل واپس کرنا پسند کریں گے آپ؟" ارسل کے سامنے چائے کا مگ رکھتے ہوئے وہ بہت سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" ارسل نے فوراً" سے پیشتر موبائل اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"بہت شکریہ! ویسے اگر دوسروں کی چیز اٹھانے سے پہلے اجازت لے لی جائے تو اگلے بندے پر اچھا امپریشن پڑسکتا ہے۔" موبائل اس کے ہاتھ سے لیتی علشبہ کو نظر انداز کرتی وہ باہر نکل آئی تھی' چائے کا مگ سلیب پر جوں کا توں چھوڑ کر اس وقت اس کا دل بہت برا ہو رہا تھا' اپنے اور ماما کے مشترکہ کمرے میں رافعہ ممانی کی موجودگی نے اس کی کوفت میں مزید اضافہ کیا تھا۔

وہ چپ چاپ ماما کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی اور کلائی میں پڑا ڈائمنڈ سے جگمگاتا اپنا نفیس بریسلٹ گھمانے لگی۔ یہ وہ واحد جیولری تھی جسے وہ ہمیشہ اپنی

کلائی کی زینت بنائے رکھتی۔

اس کا انداز واضح تھا کہ دونوں ماں بیٹی کو اب کچھ دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائے' لیکن رافعہ ممانی نے نہ تو اپنا انداز نشست بدلا اور نہ ہی موضوع بدلنے کی زحمت کی۔

"ہاں تو صالحہ! کیا بتا رہی تھیں تم آگے کا کیا پروگرام ہے تمہارا؟ وہاں سے بزنس وائنڈ اپ کرکے یہاں شروع کروگی؟"

"ارے نہیں بھابھی!" صالحہ ان کی بات پر ہلکے سے ہنسی تھیں۔

"مجھ میں اب اتنی ہمت نہیں ہے' سوچا تو میں نے یہی تھا کہ حنی اپنی پڑھائی مکمل کرلے تو آہستہ آہستہ سارا بزنس اس کے حوالے کردوں گی لیکن اس کا تو پہلے سے کوئی رجحان ہی نہیں ہے اس طرف۔ اگر دلچسپی ہے تو صرف اس حد تک کہ جتنے پیسوں کی ضرورت ہوئی چیک کاٹ کر نکلوا لیے۔"

حنی جانتی تھی ماما نے یہ بات اسے چھیڑنے کے لیے کہی ہے سو وہ ہلکے سے مسکرا کر رہ گئی۔

"وہاں سے بزنس وائنڈ اپ کرنا بہت مشکل ہے' میرے آفس میں چند ایک آفس ورکرز ہیں ایسے جو میری غیر موجودگی میں بھی سب کچھ اچھے طریقے سے سنبھال سکتے ہیں اور میں خود بھی ہر ماہ ایک آدھ چکر لگالیا کروں گی' ویسے بھی ہمارا موجودہ بینک بیلنس میرے اور حنی کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ میرا نہیں خیال مجھے اس سلسلے میں خود کو مزید تھکانے کی ضرورت ہے۔"

رافعہ ممانی بدقت تمام ان کی باتوں پر سرہلاتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"ہاں یہ بات تو ہے اور شاہ نواز کی آبائی جائیداد' حویلی میں بھی تو اچھا خاصا حصہ بنتا ہے تمہارا" بظاہر وہ لاپروا لہجے میں کہہ رہی تھیں' لیکن زیرک نگاہیں صالحہ کے چہرے کے تاثرات جانچنے میں مشغول تھیں۔

"شاہ نواز اپنی زندگی میں ہی بہت کچھ ہمارے نام کر گئے تھے بھابھی! ہمیں ان کی آبائی جائیداد میں کوئی دلچسپی نہیں۔" صالحہ کے پرسکون الفاظ و انداز پر رافعہ ممانی چونک کر رہ گئیں۔

"ارے واہ! دلچسپی کیوں نہیں؟ حق ہے تمہارا' ایسے کیسے چھوڑ دوگی؟"

حنی کو ان کے الفاظ اور لہجہ دونوں کچھ عجیب سے لگے تھے' اس کے لیے رافعہ ممانی کا ان کے ذاتی معاملات میں اس قدر مداخلت کرنا خاصے اچنبھے کا باعث تھا۔ جبکہ ادھر وہ اپنی جلد بازی کو کوستی مربیانہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"دیکھو صالحہ! برا وقت بتا کر نہیں آتا اور پھر کل کس نے دیکھا ہے؟ مانا کہ حنی تمہاری اکلوتی بچی ہے لیکن بیٹھ کر کھانے سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہوسکتا ہے اور اس بے چاری کے سر پر تو نہ باپ کا سایہ ہے اور نہ بھائی کا ہاتھ' اس لیے کہہ رہی ہوں تم خود سمجھداری سے کام لو۔ شاہ نواز کے بعد اس کی تمام جائیداد پر حنی کا حق ہے اور تم یہ حق اتنی آسانی سے ان لوگوں کو دے رہی ہو جنہوں نے کبھی تمہاری اچھائیوں کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ شاید تمہیں یہ خوف لاحق ہے کہ وہ لوگ تمہارے اس مطالبے پر تمہیں بے عزت نہ کردیں' لیکن صالحہ! بے عزتی کی نوبت تو تب آتی ہے جب ان کی نظروں میں تمہارے لیے کوئی عزت ہوتی' بہت دکھ کی بات ہے' لیکن سچ یہی ہے نا۔" خاصے ہمدردانہ انداز میں صالحہ کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ تھپتھپاتی' اپنی بات مکمل کرکے وہ باہر نکل گئیں۔

ان کے جانے کے بعد حنی ایک دم جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ "ماما!" اس کی پکار میں جھنجلاہٹ تھی۔

"بور ہو رہی ہو؟"

"یہ بوریت نہیں ہے ماما!" اس نے ماتھے پر آئے بالوں کو جھٹکا تھا۔

"کوئی بغیر اجازت آپ کا موبائل اٹھالیتا ہے اور دوسرا بجائے سرزنش کرنے کے بے ہودہ مذاق کرکے خود ہی لطف لیتا ہے یہاں تک کہ آپ کے انتہائی پرسنل فیملی میٹرز کو ڈسکس کرکے یوں اپنائیت جتائی

جاتی ہے گویا ہمارے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہ ہو۔" غصے سے ایک ایک لفظ چبا کر کہتے آخر میں اس کے لہجے میں عجیب بے بسی گھل گئی تھی۔

"تمہیں یہ سب ناگوار لگ رہا ہے؟"

"آف کورس ماما! آپ جانتی ہیں اتنی جلدی فرینک ہونے والے لوگوں سے مجھے الجھن ہوتی ہے کجا کہ اتنی بے تکلفی!"

"اور جانتی ہو تمہاری رافعہ ممانی کیا کہہ رہی تھیں؟" صالحہ نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی تھی۔

"جی! ان کے فرمان ابھی اپنے کانوں سے ہی سنے ہیں۔" وہ سخت جھلائی ہوئی تھی۔

"نہیں! تمہارے اس کمرے میں آنے سے پہلے کی بات کر رہی ہوں۔"

ضحیٰ یونہی سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

"تمہارے اور ارسل کے رشتے کی بات کی ہے انہوں نے مجھ سے۔"

"واٹ!" ضحیٰ اچھلی تھی۔ "ماما! دس از ٹو مچ" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

"تمہیں ارسل پسند نہیں آیا ضحیٰ؟"

"بات پسند ناپسند کی نہیں ہے ماما! سات دنوں میں انہوں نے کوئی سات سو ایسی باتیں کی ہیں جن کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ماما! یہ سب لوگ کیوں ہم پر اس قدر حاوی ہونے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

اس کا چہرہ اس وقت ہزار ہا رنگ بدل رہا تھا اور آواز عجیب پھٹی پھٹی سی۔ اس نے پہلے کبھی کسی بات پر اتنا شدید رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ زور زور سے پلکیں جھپکتی وہ اپنی آنکھوں میں در آتی نمی کو باہر آنے سے روکنے کی سعی کر رہی تھی۔

"ضحیٰ!" صالحہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"مجھے حویلی جانا ہے ماما! اپنے پاپا کی حویلی!" ہاتھ کی پشت سے اپنا تر چہرہ صاف کرتی وہ سکون سے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو صالحہ! وہ کم عمر ہے نا سمجھ لیکن تم تو عقل سے کام لو۔ سولہ سال پہلے جو ہوا کیا بھول چکی ہو؟ یا پھر دانستہ اس بات کو اہمیت نہیں دے رہیں؟ جو بھی ہے اتنا بتا دوں وہ لوگ کچھ نہیں بھولے ہوں گے اور اپنے پرانے حساب چکانے کے لیے نہ معلوم وہ ضحیٰ سے کس قسم کا رویہ روا رکھیں؟"

رافعہ ممانی نے انہیں گویا جھنجوڑ ڈالا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ جان بوجھ کر اس بات کو اہمیت نہیں دے رہی تھیں یا ماضی میں جو کچھ ہوا فراموش کر چکی تھیں۔ بات یہ تھی کہ وہ پاکستان آتے وقت ضحیٰ سے ہر طرح تعاون کا وعدہ کر چکی تھیں اور یہ کہ جو اسے مناسب لگے گا وہ اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گی اور اب ضحیٰ کی سنجیدگی انہیں احساس دلا چکی تھی کہ وہ اس سلسلے میں کوئی آرگیومنٹ نہیں سنے گی۔

"بہت چھوٹ دے رکھی ہے تم نے اپنی بیٹی کو صالحہ! ورنہ وہ یوں تن تنہا اتنا بڑا فیصلہ نہ کرتی۔" ماں کے برعکس اچھی خاصی معاملہ فہم تھی اور رافعہ ممانی کو یہ جان کر دھچکا لگا تھا کہ وہ اپنی ماں کی طرح دوسروں کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے اپنی سوچ ارادے اور باتوں کو اہمیت دیتی ہے۔

وہ جو یہ سمجھے بیٹھی تھیں کہ ہمیشہ کی طرح چکنی چپڑی باتیں کر کے صالحہ کے ساتھ اس کی بیٹی کو بھی قابو کر لیں گی تاحال تو ان کی خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی۔

"تم کیسی ماں ہو صالحہ! جان بوجھ کر اپنی بیٹی کو کنویں میں چھلانگ لگاتا دیکھ رہی ہو اب بھی کچھ نہیں بگڑا، اسے حویلی جانے سے روک لو۔"

ان کا بس نہیں چل رہا تھا ضحیٰ کو کسی جادو کی چھڑی کے بل پر اپنا تابع کر لیں کچھ اس طرح کہ وہ صرف ان ہی کی سنے اور ان ہی کی مانے۔

"ماما!" ضحیٰ نے اندر جھانکا تھا۔

"جان ماما!" صالحہ نے پلٹ کر محبت لٹاتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اس وقت بلیک پینٹ پنک کلر کی اسٹائلش شرٹ پہنے ہوئے

تھی۔ سلکی بالوں کی پونی ٹیل بنائے بہت فریش لگ رہی تھی۔

"اس بار نہ سہی، لیکن اگلی بار میں آپ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ تیار رہیے گا۔" اس کی بات پر صالحہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔

"ہو سکتا ہے اس بار بھی سب کچھ تمہاری توقع کے برعکس ہو۔" وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی تھی۔ پھر بے پروائی سے کندھے اچکا دیے۔ "دیکھا جائے گا۔"

صبح کا وقت تھا اور افراد خانہ اس کے جانے کی خبر پر ناشتا وغیرہ سب بھولے اس کمرے میں جمع تھے۔

"اتنی رونق ہو گئی تھی تمہارے دم سے اور اب تمہارے یوں چلے جانے سے دیکھو سب کے چہرے کیسے اتر گئے ہیں۔"

رافعہ ممانی اپنے بچوں کے "اترے" چہروں کو دیکھتی افسردگی سے گویا ہوئیں۔

پھر گہری سانس فضا کے سپرد کرتی فراخدلانہ انداز میں کہنے لگیں۔

"خیر! جو تمہاری مرضی، تیار ہو جاؤ تو جانا ارسل تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

"ارے نہیں ممانی جان! شکریہ میرے پاس ایڈریس ہے میں خود چلی جاؤں گی۔"

"تم کہاں جانتی ہو یہاں کے راستے؟" ارسل نے لب کشائی کی۔

"جن کے دلوں میں منزل تک پہنچنے کی لگن ہو، انہیں راستے خود بخود مل جایا کرتے ہیں۔" وہ آگے بڑھ کر ماما کے گلے لگ گئی تھی۔ "اپنا خیال رکھیے گا ماما۔"

"آئی ایم سوری بیٹا!" کوئی کمزور لمحہ تھا جس کی گرفت میں وہ آ گئی تھیں۔

"فار واٹ ماما؟" ضحیٰ نے محبت سے ان کے آنسو پونچھے تھے۔

"فار ایوری تھنگ!"

ان کی بھیگی آنکھیں نہ جانے کون سی ان کہی بیان کر رہی تھیں۔ ضحیٰ رک کر انہیں پڑھنے کی کوشش نہ کر پائی۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"کھانا کھایا آپ نے؟" وہ کلائی میں بندھی ریسٹ واچ پر نظریں دوڑاتا مضبوط قدموں سے چلتا ہوا ان کے سامنے آ رکا تھا۔ جھریوں زدہ چہرے پر مہربان مسکراہٹ والی معمر عورت نے چونک کر اپنی گود میں رکھی ضخیم کتاب بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔ جو کیمل کلر کے شلوار قمیص پر چاکلیٹ کلر کی چادر ایک کندھے پر ڈالے اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا۔

"کھانا کھایا آپ نے؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں، دل نہیں چاہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کھا لوں گی۔"

"میں جانتا تھا آپ کا جواب یہی ہو گا۔ اسی لیے سب کچھ چھوڑ کر چلا آیا۔" اس کے خفا لہجے پر ان کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

"خوامخواہ کے وہم مت پالا کرو میر شعیب! جب بھوک لگے گی، سکینہ سے کہوں گی کھانا گرم کر کے لا دے گی۔ تمہیں اتنا اہم فنکشن چھوڑ کر آنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"خوامخواہ کے آرگیومنٹ مت دیا کریں۔ معزز خاتون! مجھے جو کرنا چاہیے تھا وہ میں نے کیا۔" ٹھیک ان ہی کے سے انداز میں کہتا وہ ان کے پہلو میں جھولے پر بیٹھ گیا تھا اور ضحیٰ میر نے اسی دم حویلی کے اندر اپنا پہلا قدم رکھا تھا۔ اسے لگا وہ کسی ونڈر لینڈ میں آ گئی ہے۔ اس نے صرف حویلی کا نام سنا تھا لیکن آج اس حویلی میں پہلا قدم رکھتے ہی جس شدید قسم کی حیرت اور بے یقینی نے اسے چھوا، وہ اندر بڑھتے ہر قدم کے ساتھ دوچند ہو گئی۔

ایسی شاندار جائے رہائش اس کے پاپا کی تھی؟ میر شاہ نواز کی اکلوتی بیٹی ضحیٰ نے اسی حویلی میں آنکھ کھولی تھی۔ وہ ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں قدم آگے

بڑھا رہی تھی۔
قدموں کی چاپ پر ان دونوں نے ایک ساتھ سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔ ضحیٰ کے قدم ٹھٹکے تھے۔ اسے سامنے بیٹھے نفوس کی آنکھوں میں اپنے لیے الجھن اور شدید ترین حیرت تیرتی دکھائی دی۔

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ ضحیٰ۔۔۔ ضحیٰ میر! میر شاہ نواز کی بیٹی۔" اسے اپنا تعارف کروانا بہت دشوار لگا تھا اس سمے۔

مہربان مسکراہٹ والی بوڑھی عورت پتھرا کر اسے دیکھے گئی۔ جبکہ ساتھ بیٹھا ان کا خوبرو پوتا ایک جھٹکے سے جھولا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کون ضحیٰ؟ ہم کسی ضحیٰ کو نہیں جانتے۔ آپ یقیناً غلط جگہ پر آگئی ہیں۔" جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"نہیں!" ضحیٰ کی زبان لڑکھڑائی تھی۔ "میں نے حویلی کے ماتھے پر اپنے دادا میر شاہ جہاں کا نام پڑھا ہے۔ آپ۔۔۔"

"بس!" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"یہ حویلی میر شاہ جہاں کی ہی ہے۔ لیکن آپ کا ان سے کوئی رشتہ نہیں۔" اس نے دوٹوک انداز میں گویا بات ہی ختم کر دی۔ مقابل کے غصے سے اندر ہی اندر خائف ہونے کے باوجود وہ تڑختے ہوئے بولی۔

"میں میر شاہ جہاں کے سب سے چھوٹے بیٹے میر شاہ نواز کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میرا ان سے کوئی رشتہ ہی نہیں؟ مانا کہ میرے پاپا اس دنیا میں نہیں رہے۔ لیکن میرا رشتہ آج بھی اس حویلی سے مسلم ہے۔"

"لگتا ہے آپ ایسے نہیں مانیں گی۔" وہ جارحانہ تیور لیے اس کی جانب بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی۔ وہ اس کا ہاتھ کھینچتا بیرونی دروازے کی جانب بڑھا۔ حیرت اور بے یقینی کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ وہ کوئی مزاحمت کر ہی نہ پائی۔

"رک جاؤ میر شعیب!" جھولے پر ساکت بیٹھے وجود میں جان پڑی تھی۔ آہنی گرفت لمحہ بھر کے لیے ڈھیلی ہوئی۔ دوسرے لمحے وہ پھر سے اسے گھسیٹنے لگا۔

"میرے شاہ نواز کی نشانی کو مت دھتکارو میر شعیب۔" آنسوؤں میں ڈوبی لرزتی آواز پر اس کے قدم ساکت ہوئے تھے۔ ضحیٰ نے اسی پل کا فائدہ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑواتی بھاگ کر ان کے پاس آئی تھی۔

"آپ۔۔۔ میری گرینڈ ماں ہیں نا؟ میرے پاپا کی ماں!" شدت جذبات سے اس کی آواز نکل نہیں پا رہی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی اپنے دونوں ہاتھ ان کی گود میں رکھے یک ٹک ان کے چہرے کو تک رہی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ ان کی گود میں سر رکھے رونے لگی تھی۔

"مت کریں ایسا دادی!" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا عین اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"اس بار میرا دل تمہاری بات ماننے سے منکر ہے میرے بچے! میں کیا کروں؟" ان کے جھریوں زدہ چہرے سے آنسو موتی کی لڑیوں کی مانند ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ وہ نفرت سے اس کے جھکے سر کو دیکھتا آگے بڑھا اور جھٹکے سے اس کا ہاتھ کھینچ کر کھڑا کرتا تنفر زدہ لہجے میں بولا۔

"غور سے دیکھیں اسے۔ یہ کہیں سے آپ کو اپنے بیٹے کی اولاد نظر آتی ہے؟ کچھ ہے ایسا اس میں جو بتائے یہ ہمارے خاندان کا حصہ ہے؟ غور سے دیکھیں دادی! یہ میر شاہ نواز کی نہیں صالحہ اکرام کی بیٹی ہے۔ وہی صالحہ اکرام جس نے برسوں پہلے ہمارے خاندان کو طوفانوں کے سپرد کر دیا تھا۔ آج وہی صالحہ ایک بار پھر ہمارے لیے تباہی کا سندیسہ لیے ہماری چوکھٹ پر کھڑی ہے۔"

اس کی سلگتی نگاہیں اس کے وجود کے آر پار گزر رہی تھیں۔ اس کا جسم سن ہو گیا۔ اسے لگا وہ شدید ترین اعصابی جنگ میں اپنی جان ہار دے گی۔

"اتنے سال آزادی کی دلدادہ اپنی ماں کی صحبت میں گزارنے کے بعد آپ کو لگتا ہے یہ اس حویلی میں

رہنے کے قابل ہے؟ ہرگز نہیں۔" ضحیٰ نے شدت کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"میرے شاہ نواز کے خون پر انگلی مت اٹھاؤ میر شعیب! مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" وہ آہستگی سے جھولا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شعیب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے لب بھینچے غصے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ اس کے قدموں کی دھمک سے حویلی گونج اٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم میرے ساتھ آجاؤ۔" وہ چپ چاپ کسی روبوٹ کی مانند ان کے پیچھے چل پڑی۔ کتنے زینے، کتنی راہداریاں طے کیں۔ اسے کچھ خبر نہ تھی۔ اس وقت اس کا ذہن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا۔

"اندر آجاؤ۔ یہ میرا کمرہ ہے۔" لکڑی کا بھاری منقش دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ بند ہو گیا تھا۔ یہ ایک کشادہ، کم ساز و سامان سے مزین آرام دہ کمرہ تھا۔ جس کی سجاوٹ میں سادگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"تم فریش ہو جاؤ۔ غسل خانہ اس طرف ہے۔" وہ آہستگی سے سر ہلاتی اس جانب مڑ گئی۔ جس طرف انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ اسی طرح شاور لینے کے بعد اسے اپنی طبیعت پر چھایا بوجھل پن دور ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے ایک بار پھر وہی لباس پہن لیا تھا۔ اس کا بیگ تو حویلی میں داخل ہوتے ہی کہیں ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی، پہلے کھانا کھاؤ۔" انہوں نے سنگل صوفے کے آگے بڑی میز پر رکھے کھانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ضحیٰ نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے اس وقت بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔"

"کھانا شروع کرو بھوک خود ہی جاگ اٹھے گی۔" ان کا لہجہ اتنا نرم، اتنا گداز تھا کہ ضحیٰ کا دل چاہا وہ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہے۔ حالانکہ وہ اس وقت ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ اس کے دماغ میں اودھم مچاتے سوال اپنا جواب پانے کے لیے سر پٹخ رہے تھے۔ "بڑی دلہن کے بھائی کے نکاح کی تقریب ہے آج سب وہاں گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر میں واپس آجائیں۔"

جب تک اس نے کھانا ختم کیا، تب تک وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہیں۔

"یہ میرا بستر ہے، تم یہاں آرام سے سو سکتی ہو۔ کوئی تمہارے آرام میں مخل نہیں ہو گا۔" وہ نرمی سے کہتیں اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گئیں۔

ضحیٰ انہیں روکنا چاہتی تھی لیکن محض لب پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ کچھ دیر ان کے پیچھے ہلتے پردے کو دیکھتے رہنے کے بعد لیٹ گئی۔ کمرے کا خوابناک ماحول تھا یا دادی کے نرم لہجے کی تاثیر! تھوڑی ہی دیر میں اس کی پلکیں آپس میں جڑنے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا صالحہ پاکستان واپس آگئی ہے؟"
تایا ابا کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی تھی۔

"اتنے برس بعد اس کی پاکستان واپسی اور پھر اپنی بیٹی کو یوں تن تنہا حویلی بھیجنے کی اجازت۔ اس سب کے پیچھے کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

فرقان چاچا نے بند مٹھی ہونٹوں پر رکھتے پرسوچ انداز میں دادی جان کو دیکھا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو؟" تائی اماں ہمیشہ تصویر کا مثبت رخ ہی دیکھتی تھیں۔

"اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی بیٹی کو بھیجنے کے بجائے خود یہاں آتی۔" ممتاز چچی نے فی الفور ان کے خیال کی تردید کی تھی۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ مختلف قیاس آرائیاں کر کے اپنے ذہن کو تھکایا جائے؟ کچھ دن صبر کرو جلد ہی ساری بات سامنے آجائے گی۔" دادی جان نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"لیکن میری ایک بات سن لو، اس کے ساتھ کوئی بھی رویہ اختیار کرنے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لینا کہ وہ

CamScanner

صرف صالحہ کی نہیں میر شاہ نواز کی بھی اولاد ہے۔"

"اماں!" تایا ابا نے خفگی سے انہیں دیکھا تھا۔

"آپ ہمیں ایسا سمجھتی ہیں؟" "نہیں حقیقتاً" افسوس ہوا تھا کہ اماں انہیں اتنا گرا ہوا سمجھتی ہیں جو صالحہ کے لگائے زخموں کا بدلہ وہ اس کی بیٹی سے لیں گے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اپنے انداز میں سوچ رہا تھا۔ صرف شعیب تھا جو کاؤچ پر بیٹھا اپنے موبائل پر مصروف تھا۔ اس نے اگرچہ ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن اس کے چہرے کے تیکھے تاثرات اس کے اندرونی جذبات عیاں کررہے تھے۔ بزرگوں کی محفل برخاست ہوئی تو نوجوان پارٹی جو ابھی تک خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی، فل فارم میں آگئی، موضوع گفتگو چچازاد تھی میرہی تھی۔ "امریکہ سے آئی ہے 'مغرور تو خوب ہوگی۔" "کسی بھی موضوع پر بلا تکان بولنے والی ثانیہ کو کم گو لوگ ہمیشہ مغرور ہی لگا کرتے سوائے پہلے اسی خدشے ہی ستایا۔ "نجانے لباس کیا پہنتی ہے؟"

جدید تراش خراش کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس ثوبیہ کو اس کے لباس کی فکر لگ گئی۔

"خوب پٹر پٹر انگریزی بولتی وہ تو ہم سب کو شدید احساس کمتری میں مبتلا کردے گی۔" فرسٹ ایئر میں انگریزی کے پیپر میں دوبار فیل ہونے والی گل کی پریشانی بے جا نہیں تھی۔ عبدالرافع کو اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آگئی۔

"میں تمہیں ڈکشنری لادوں گا گل! فکر مت کرو، بس جب وہ تم سے بات کرے تو سرہلاتی رہنا بھلے ایک لفظ بھی پلے نہ پڑے۔ بعد میں ذہن نشین ہونے والے موٹے موٹے الفاظ کے ڈکشنری میں معنی ڈھونڈ کر "مفہوم" سمجھ لینا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" گل ایسے ہی تو اس کی مریدنی نہیں تھی۔ اس کے پاس کم از کم گل کے ہر "مسئلے" کا حل ضرور موجود ہوتا تھا۔

"نہ جانے ہمیں کب اس سے شرف ملاقات بخشا جائے گا؟" مہران نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"بس کرو تم لوگ!" شعیب ناگواری سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہ بھی تم لوگوں کی طرح ایک انسان ہی ہے۔ زیادہ سر پر چڑھانے یا متاثر ہونے کی ضرورت نہیں اور بلا ضرورت بے تکلفی یا دوستی تو ہرگز نہیں۔ سن لیا تم سب نے؟" سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ میر شعیب کو حویلی کا بڑا پوتا ہونے کا شرف حاصل تھا اور اپنے اس "عہدے" سے وہ کماحقہ فائدہ اٹھاتا۔ خود سے چھوٹے بہن بھائی ثوبیہ اور عبدالرافع کے ساتھ ساتھ فرقان چاچا کے مہران، ثانیہ اور گل پر بھی اس کا خوب رعب چلتا۔ پیٹھ پیچھے چاہے اچھل لیا کودیں۔ لیکن اس کی موجودگی میں شرافت کے جامے میں رہنے میں ہی انہیں اپنی بھلائی نظر آتی تھی۔ اب بھی اس کے "حکم" پر تابعداری سے سر جھکا دیا تھا۔ لیکن اس کے باہر نکلتے ہی عبدالرافع کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

"سنا گل تم نے وہ بھی ہماری طرح انسان ہی ہے۔"

"ہاں رافع! اسے سر پر چڑھانے کی بالکل ضرورت نہیں۔ اس لیے تم پلیز میرے لیے ڈکشنری مت لانا۔" "دیکھو! ثانی خبردار! تم نے اس سے متاثر ہونے کی غلطی کی تو۔" مہران نے مصنوعی غصے سے ثوبیہ کو وارننگ دی "اور بلا ضرورت بے تکلفی یا دوستی کا تو سوچنا بھی مت۔" ثانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اعلانیہ انداز میں کہا۔ اگلے ہی پل سب کے چھت پھاڑ قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

حویلی کے ہزار ہا کونے تھے اور ہر کونے میں اس کی ذات سے متعلق سرگوشیاں ہورہی تھیں۔ پھر اس تک کیسے نہ پہنچتیں؟ اس کے نیم خوابیدہ احساسات ایکدم بیدار ہوئے تھے۔

"کیا مجھے ایک بار پھر ان سب کی نفرت بھری نگاہوں کا سامنا کرنا ہوگا؟ ان میں سے کوئی ایک بار پھر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالنے کی کوشش کرے گا؟ ایک بار پھر وہی ذلت!" اسے ہمیشہ اپنے ہشاش بشاش رہنے والے اعصاب تھکے ماندے محسوس ہوئے۔

ہوا ان گزر گیا تھا۔ وہ پہر سے شام ڈھلی اور شام سے پھر رات۔ وہ خود میں باہر جانے کی ہمت پیدا نہ کرسکی۔ اب بھی وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے افسردہ سی بیٹھی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا اپنے تایا ابا سے بھی نہیں ملو گی بیٹی؟" وہ آہستگی سے قدم اٹھاتے اس کے قریب آن ٹھہرے تھے اور اپنی بانہیں پھیلادیں۔ وہ جھجکتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی۔

"اتنی مضبوط پناہ! ایسا گھنا سائبان!" اس نے طمانیت سے آنکھیں بند کر کے دل کی تمام تر شدتوں سے اس لمس کو محسوس کیا تھا۔

"اسی سایہ دار پیڑ کی میٹھی ٹھنڈی چھاؤں تلے آنے کے لیے ہی تو میں نے اتنا سفر کیا اور کوئی آگراتی ہے دنیا رہے گے تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔" اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ تایا ابا کے سینے سے الگ ہوئی تو دیکھا دلاوی جان کا کشادہ کمرہ بھر گیا تھا۔ فرقان چاچا، نگی اماں، ممتاز چچی اور اتنے ڈھیر سارے کزن، اس کا روم روم خوشی سے مہک اٹھا۔

"اگرچہ تمہارا باپ عمر میں مجھ سے چھوٹا تھا۔ لیکن اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے ہمیشہ بڑا لگتا۔ لوگوں کے لیے پہیلی بنا تھا کہ ہم دونوں میں سے چھوٹا کون ہے اور بڑا کون؟ جہاں اسے بڑا بن کر فائدہ نکلوانا ہوتا میں آسانی سے چھوٹا بن جاتا اور جہاں میرا مفاد چھوٹا رہنے سے پورا ہوتا۔ وہ کامیابی سے بڑے بھائی والا کردار نبھا لیتا۔" فرقان چچا کی بات پر وہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

"اور جانتی ہو غضب کا چلبلا تھا تمہارا باپ ایک دن سوتے میں میرا ہاتھ اٹھا کر اپنی بکری کے منہ میں دے دیا۔ میری آنکھ جب تک کھلی اس کی وفادار بکری میرا ایک ناخن اکھاڑ چکی تھی۔ بیہ والا۔" تایا ابا نے ہنسنے کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی اس کے سامنے کی۔ جس کا ادھا ادھورا ناخن عجیب ہیئت کا بن چکا تھا۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ پہلی بار کوئی اس سے اس کے پاپا کے متعلق ایسی باتیں کررہا تھا۔ ان کی عادات، مزاج، شخصیت کی پرتیں! یوں ہی ہنستے آنکھوں کی نمی انگلی کی پور سے جھٹکتے اس کی نگاہ دروازے پر ایستادہ شعیب کے سرد چہرے جا ٹکرائی تھی۔ نگاہیں ملنے پر وہ ایک دم مڑا اور باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

رات اتری تو آسمان کے سیاہ سینے پر ڈھیر سارے ستاروں کے جھرمٹ میں گھرے چاند نے چہار سو اپنی نرم چاندنی پھیلادی تھی۔ فضا میں رات کی رانی کی مہک رچی بسی تھی اور باد صبا کے جھونکے چمپا کے پھولوں کی مہک اس میں مدغم کررہے تھے۔ وہ گہری سانس کھینچ کر پھولوں کی باس اپنے اندر اتارتی باہر نکل آئی تھی۔ لان میں چاند کی نرم روشنی کے علاوہ چند ایک مصنوعی بتیاں جل رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے نرم گھاس پر چہل قدمی کرتی ماما سے فون پر بات کرنے لگی۔

"ہنی! کیسی ہو میری جان! وہاں سب ٹھیک ہے نا؟" صالحہ نے اس کی آواز سنتے ہی بے تابی سے پوچھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں ماما اور یہاں سب سویٹ ہے۔ آپ کی آواز کو کیا ہوا ہے؟" اس نے قدرے تشویش سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں، ابھی سو کر اٹھی ہوں تو شاید اسی لیے بھاری ہورہی ہے۔ تم بتاؤ وہاں کسی نے کچھ کہا تو نہیں؟ دیکھو اگر کوئی تم سے مس بی ہیو کرے تو فوراً واپس آجانا۔"

"اوہ کم آن ماما! آپ تو۔" اس کی زبان اور قدم ایک ساتھ رکے تھے۔ شعیب عین اس کے سامنے ہی تو جا کھڑا تھا۔ اس نے بوکھلا کر جلدی سے کال ڈسکنیکٹ کردی۔

"اوکے ماما! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔"

"خبر دے دی والدہ محترمہ کو کہ اپنے مقصد تک

پہنچنے کے لیے میں نے پہلی سیڑھی بہت کامیابی سے طے کرلی ہے؟" سینے پر بازو باندھے بہت چبھتے لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔

"کون سا مقصد؟ کیسی سیڑھی؟ آپ میری ماما کے بارے میں اتنے شکوک و شبہات کا شکار کیوں ہیں؟" اگرچہ اس کی اردو صاف تھی۔ لیکن لہجہ غیر ملکی زبان کی آمیزش لیے ہوئے تھا۔ "شکوک و شبہات" جیسے الفاظ بولتے ہوئے اسے اچھا خاصا زور دینا پڑا تھا۔

"کوئی مشکوک ہوتا ہے تو ہی اس پر شک کیا جاتا ہے نا؟ بہرحال تم اپنی ماں کی پڑھائی گئی پٹیوں کی مدد سے سب کو بے وقوف بنا سکتی ہو' لیکن مجھے نہیں۔ اس لیے ابھی سے وارن کر رہا ہوں۔ اگر اس بار حویلی والوں کو زک پہنچانے کا سوچا بھی تو تم دونوں ماں' بیٹی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ انگلی اٹھا کر سرد لہجے میں تنبیہہ کرتا واپس مڑ گیا تھا۔ ضحیٰ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ وہ سفید چہرہ لیے اس کی پشت گھورتی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میران! یہ چیٹنگ ہے۔ میری گوٹ واپس رکھو۔" سبز گوٹ کو گھر کی طرف لوٹتا دیکھ کر ثوبیہ چلائی تھی۔

"ارے واہ! اپنی گوٹ گھر کو لوٹے تو چیٹنگ!" میران نے ہاتھ بلند کیے زور' زور سے ڈبی میں "چھکا" گھما کر اس کا احتجاج رد کیا تھا۔ سب اس وقت صحن میں دری بچھائے گول دائرے میں لڈو کی زبردست بازی جمائے ہوئے تھے۔ ضحیٰ پہلی بار یہ گیم کھیل رہی تھی اور اسے خوب مزا آرہا تھا۔ اپنی ہی گوٹ کو مزے سے کٹ آؤٹ کرنے پر وہ جس بے ساختہ خوشی کا اظہار کرتی اس کی پارٹنر ثوبیہ کا جی چاہتا اپنا سر جا کے کہیں دے مارے۔ درحقیقت وہ ضحیٰ کو اپنی پارٹنر بنانے پر خود کو کوس رہی تھی۔

"لگتا ہی نہیں یہ اس صالحہ کی بیٹی ہے۔ جو ہم سے سیدھے منہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔" دوپہر کے کھانے کے لیے ملازماؤں کو ہدایت دیتی ممتاز چچی نے کھڑکی سے باہر نظر آتا منظر دیکھ کر ایک بار پھر وہی بات دہرائی تھی جو وہ اب اکثر اٹھتے بیٹھتے دہرانے لگی تھیں۔ "اس کی رگوں میں ہمارے نواز کا خون ہے۔ جو محبت' اپنائیت اور خلوص بھرے جذبوں سے گندھا تھا۔"

تائی اماں نے محبت سے اپنے دیور کا ذکر کیا۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کا بھی خوب لاڈلا تھا۔

کھیل ختم ہو گیا تھا اور اب گل اور میران اپنی کامیابی کا بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ جبکہ کبھی نہ ہارنے والی ثوبیہ ہار کا سہرا ضحیٰ کے سر باندھ رہی تھی اور اس کی معصومیت سے "اتنا اچھا تو کھیل میں" کہنے پر سب ہنس ہنس کر دہرے ہو گئے تھے۔

"ضحیٰ! فارم ہاؤس چلو گی؟" اپنی کامیابی کی خوشی میں میران ضحیٰ سے پوچھ رہا تھا۔

"چلیں گی کیا دوڑیں گی' اتنا مزا آئے گا۔" وہ چہکی تھی۔

"لیکن شعیب بھائی سے اجازت کون لے گا؟" عبدالرافع کے سوال پر گل بے نیازی سے بولی۔

"واپس آکر لے لیں گے۔" ثانیہ کو ہنسی آگئی۔ "کرنے کے بعد کون سی اجازت لی جاتی ہے؟ پاگل!"

"ہم کہہ دیں گے ضحیٰ کو تربوز کے پیڑ دیکھنے کا شوق ہو رہا تھا۔ کیوں ثوبیہ' تمہارے افسانوں کی شہزادی ہیروئن کو بھی تو کھیتوں میں جا کر ہی پتا چلتا ہے ناکہ تربوز پیڑوں پہ نہیں بلکہ بیلوں پر لگتے ہیں؟" میران ثوبیہ کو چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔ ثوبیہ نے ناک چڑھا کر رخ دوسری طرف کر لیا۔

"دادی! میری پیاری دادی!" سامنے سے آتی دادی جان کو دیکھ کر عبدالرافع جذباتی انداز میں کہتا ان کی جانب بڑھا تھا۔

"اپنی ضحیٰ بی بی کو پیڑ سے لٹکتے میرا مطلب ہے بیلوں پر لگے تربوز دیکھنے کا دل چاہ رہا ہے۔ آپ سے اتنی گزارش ہے کہ فارم ہاؤس جانے کی اجازت

دے دیجیے۔" "سیدھے الفاظ میں بات نہیں کرسکتے؟" دادی کو ہنسی آگئی تھی۔

"سیدھے الفاظ میں بات کروں تب بھی کون سا لوگوں کو سمجھ میں آجاتی ہے؟ دانستہ مشکل الفاظ استعمال کرتا ہوں' کچھ لوگوں پر اپنا رعب برقرار رکھنے کے لیے۔" وہ گل کی طرف دیکھتا معنی خیزی سے بولا تو وہ اس کی بات سمجھ کر ہنس پڑیں۔ سب جانتے تھے کہ گل اور عبدالرافع ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ اس حویلی کے سب سے چھوٹے بچے تھے۔ بچوں کی ٹیم میں جگہ نہ ملی تو خود ہی آپس میں دوستی گانٹھ لی۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔

دادی نے خوش باش ضحیٰ کو دیکھا اور جانے کی اجازت دے دی۔ لڑکیوں کو اپنی اپنی تیاری کی فکر لگ گئی۔ جبکہ لڑکے وہیں صوفوں پر ڈھیر ہو کر ان کا انتظار کرنے لگے۔ ضحیٰ کو سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا تیاری کرے۔

اس نے بلو ٹراؤزر پر گہرے کلر کی دھاریوں والی شرٹ پہن کر بالوں کی حسب عادت پونی ٹیل بنائی تھی۔ ثانیہ اندر آئی تو اسے دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی۔ ضحیٰ جب سے آئی تھی اسی قسم کے لباس پہن رہی تھی۔ وہ یقیناً" اسی ڈریسنگ کی عادی تھی۔ سب کی موجودگی میں اس کے یوں دوپٹے کے بنا آزادانہ گھومتے پھرنے سے ثانیہ لوگوں کی نگاہیں جھک جاتیں۔

دادی جان نے کہا تھا کوئی اس پر انگلی نہ اٹھائے۔ وہ برسوں سے ایسی زندگی جیتی آئی ہے۔ گنتی کے چند دنوں میں اس کا سر تاپا بدلنا ناممکن ہے۔ اچھا ہوگا وہ خود ہی تبدیلی محسوس کرے۔

سو سب نے اس سلسلے میں چپ سادھ لی تھی۔ لیکن حویلی سے باہر اس لباس میں جانا ثانیہ کو کھٹک رہا تھا۔ گھر میں بے شک بے جا روک ٹوک نہیں تھی۔ لیکن وہ باپ' بھائیوں کے سامنے ہمیشہ سر پر دوپٹا اوڑھے رکھتیں اور باہر نکلتے وقت شیشوں کی کڑھائی والی مخصوص چادریں سر پر لیتیں۔

"کیا ہوا؟" اسے اپنی طرف یوں تکتا پاکر ضحیٰ نے استفسار کیا۔

"وہ ضحیٰ! اصل میں۔" ثانیہ ہچکچائی' کہیں وہ اس کی بات برا نہ منا جائے۔

"کوئی پرابلم ہے ثانیہ؟"

"ہاں! نہیں' میرا مطلب ہے' تم یہ چادر لے لو پلیز!"

اس نے جلدی سے بولتے ہوئے اپنی نیوی بلو شیشوں والی چادر اس کی طرف بڑھا دی۔

"اصل میں حویلی کی عورتیں باہر نکلتے وقت چادر کا استعمال کرتی ہیں۔" اس نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔ لیکن ضحیٰ نے کوئی تبصرہ کیے بغیر خاموشی سے چادر اوڑھ لی۔

"کیا محض سر ڈھکنے سے عورت کے گرد اتنا دلکش ہالہ بن جاتا ہے؟" ثانیہ کو وہ بہت بدلی بدلی' ضحیٰ لگی تھی۔ دلکش اور پاکیزہ!

"تم لوگوں کے سولہ سنگھار ختم ہوگئے ہوں تو باہر آجاؤ۔ ورنہ میں پروگرام کینسل کر رہا ہوں۔" میران کی دھمکی خاصی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ سب بھاگم بھاگ گاڑی میں گھس گئیں۔ فارم ہاؤس پہنچنے تک انہوں نے گاڑی میں ہی خوب غل غپاڑہ مچا رکھا۔

"ضحیٰ! جانتی ہو ساگ کا کوئی درخت نہیں ہوتا اور خربوزے کا بیج خشک کر کے فارغ اوقات میں کھانا گاؤں کی خواتین کا دل پسند مشغلہ ہے۔" میران سیر کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں اضافہ بھی کرتا جارہا تھا۔ ضحیٰ کو اس کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آجاتی۔ نہر کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھتے ہوئے اس نے خوب انجوائے کیا تھا۔

عبدالرافع برگد کے پیڑ تلے پڑی چارپائیوں پر بیٹھا مہارت سے تربوز کے ٹکڑے کاٹنے کے ساتھ ساتھ انہیں آوازیں بھی لگا رہا تھا۔

ادھر سے سب ہاتھ ہلا کر "آرہے ہیں' آرہے ہیں" کہتے مزید آگے بڑھ جاتے۔

"بے چارہ کب سے اکیلا لگا ہوا ہے۔" گل بڑبڑاسا

CamScanner

چھرا اٹھائے حقِ دوستی نبھانے کے لیے اس کے ساتھ چارپائی پر چڑھ گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد "ہائے میرا ہاتھ کٹ گیا" کا واویلا کر کے سب کو منٹوں میں اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔

"یہ ہاتھ کٹا ہے تمہارا؟" ثوبیہ اس کے ہاتھ پر لگے ذرا سے کٹ کو دیکھتے ہوئے غرائی۔

"ہاتھ پر کٹ لگا ہے تو ہاتھ کٹ گیا کہوں گی نا؟" وہ معصومیت سے بولی تھی۔ حالانکہ یہ ان سب کو بلانے کا ایک بہانہ تھا۔ تربوز کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اس نے اپنے کارنامے پر خود کو ہی داد دی تھی۔ "سنو! مجھے ہارس رائیڈنگ کرنی ہے۔"

اصطبل میں بندھے اعلا نسل کے گھوڑوں کو دیکھ کر منتی کی پرانی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ وہ ایک سفید گھوڑے پر محبت سے ہاتھ پھیرتی سوالیہ نگاہوں سے ثوبیہ کو دیکھنے لگی۔ "یہ شعیب بھائی کا گھوڑا ہے اور وہ اس پر سواری کی اجازت کسی کو نہیں دیتے۔" "لیکن مجھے تو اس پر کہیں بھی ان کا نام لکھا نظر نہیں آرہا اور مجھے نہیں لگتا میرے سواری کرنے پر اس گھوڑے کو کوئی اعتراض ہوگا۔"

اس نے چادر اتار کر جنگلے کی سلاخوں پر ڈال دی تھی اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر باگ ہلائی تو گھوڑا ہنہنا اٹھا تھا۔

وہ اگرچہ یہاں کے راستوں سے واقف نہیں تھی۔ لیکن سرسبز گھنے پیڑوں میں گھری سڑک پر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔ پونی ٹیل سے بالوں کی لٹیں نکل کر اس کے چہرے پر آرہی تھیں۔ سرپٹ دوڑتا گھوڑا اچانک اگلے دونوں پاؤں فضا میں بلند کر کے رک گیا تھا۔ منتی کا مارے خوف کے دم نکلنے لگا۔ گھوڑے نے پاؤں دوبارہ زمین پر ٹکائے تو وہ ایک جھٹکے سے نیچے اتر آئی تھی۔ میر شعیب ایک بار پھر اس کے سامنے دیوار کی مانند ایستادہ تھا۔

"اف!" وہ ہوا سے اڑتے اپنے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستی خود کو اس وقت خاصا احمق تصور کر رہی تھی۔ اسے گھوڑے پر اس کا نام لکھا نظر نہیں آیا تھا لیکن گھوڑا اپنے مالک کے سامنے اپنی وفاداری ثابت کر چکا تھا۔

"حویلی سے باہر قدم نکالنے کے لیے تمہیں اس سے زیادہ واہیات اور کوئی لباس نہیں ملا تھا پہننے کو؟" وہ چبھتی نگاہیں اس کے سراپے پر گاڑے پوچھ رہا تھا۔ منتی نے قدرے حیران ہو کر خود کو نیچے سے اوپر تک دیکھا تھا۔

"میں ہمیشہ سے ایسا ہی لباس پہنتی آرہی ہوں۔"

"محترمہ! یہ آپ کا امریکہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں عورتیں اتنا بے ہودہ لباس پہن کر باہر نہیں نکلا کرتیں۔"

"شکر! آپ نے مجھے اپنے خاندان کا حصہ تو تسلیم کیا۔" وہ اسی پر خوش ہو گئی۔

"بہت خوش فہم ہیں آپ۔" وہ گویا اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

"ہائے واوے! والدہ محترمہ کے بھیجے گئے مشن میں کس حد تک کامیابی حاصل کر لی؟" وہ طنزیہ انداز میں ابرو اچکا کر پوچھ رہا تھا۔

"آپ میری ماما سے اتنی خار کیوں کھاتے ہیں؟"

"جو خار دلانے والے کام کرتے ہیں ان سے خار آئے گی ہی۔" وہ باگ اس کے ہاتھ سے لیتا گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ انداز میں یکایک ڈھیر ساری لاتعلقی آگئی تھی۔ قریب تھا کہ وہ باگ کو جھٹکا دیتا اور گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگتا۔ وہ حواس باختہ ہو گئی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ میں یہاں سے کیسے جاؤں گی؟"

"دوسروں کی چیز اجازت کے بغیر استعمال کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ گھوڑا دوڑاتا آگے نکل گیا۔ اتنی دیر میں گھوڑے کی ٹاپیں اسے اپنے اعصاب پر ہتھوڑے کی مانند لگی تھیں۔ نہ جانے کتنا وقت بیت گیا وہ دھواں چہرہ لیے پہلو میں بازو گرائے بے حس و حرکت کھڑی رہی۔

درخت پر بیٹھا کوئی پرندہ زور سے چلایا تھا۔ اس کی ساکت آنکھوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور وہ ایک ایک قدم اٹھاتی واپسی کے لیے مڑی تھی۔ کتنا وقت بیت گیا وہ ایسے ہی چلتی رہی۔ چل چل کر اس کی ٹانگیں شل ہونے کے قریب تھیں کہ سامنے سڑک پر اسے عمران لوگ حواس باختہ سے اپنی جانب آتے دکھائی دیے۔

"منتی آپی!" انہوں نے بھاگتے ہوئے درمیانی فاصلہ طے کیا تھا۔ سب کو ایک دم اپنے سامنے دیکھ کر وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دیے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آتے وقت وہ جتنی پرجوش تھی واپسی پر اس سے کہیں زیادہ پژمردہ۔ سب اسے باتوں میں لگا کر بہلانے کے جتن کرتے رہے لیکن وہ مسکرا تک نہ سکی۔

وہ محبتوں کی امین تھی۔ محبتیں لٹانا، محبتیں وصول کرنا اس کی سرشت میں تھا۔ اسے ناجائز راستے، ناجائز رشتے کبھی پسند نہیں رہے تھے۔ اتنی صاف اتنی کھری سوچ رکھنے والی کے لیے یہ تصور جان لیوا تھا کہ کوئی اس سے اس حد تک نفرت کرتا ہے۔ وہ ساری رات ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔

✿ ✿ ✿

صبح آنکھ کھلی تو اسے حویلی میں غیر معمولی چہل پہل محسوس ہوئی تھی۔ بڑے ہال کمرے میں چاندنیاں بچھی تھیں۔ اگردان میں اگربتیاں جل رہی تھیں۔ بیچ میں سفید کپڑے پر سپارے اور کھجور کی گٹھلیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں گاؤں کی عورتیں جمع ہونے لگیں۔ حویلی کی عورتیں، لڑکیاں سب باوضو ہو کر قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گئیں۔ حویلی سے باہر شعیب اور عمران لوگ اپنی نگرانی میں بریانی کی دیگیں پکوا رہے تھے۔

"دادی! آج حویلی میں کوئی فنکشن ہے کیا؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی کہ دادی کے اندر داخل ہونے پر ان سے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"شاہ نواز کی برسی ہے آج۔" منتی کا ہاتھ جہاں تھا تھم کر رہ گیا۔

"پاپا کی برسی!" وہ گم سم سی ہو گئی۔

دادی سائیڈ ٹیبل کی درازوں میں سے کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ انہیں مطلوبہ چیز مل گئی تو واپسی کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

"دادی!" اس نے بے چین ہو کر انہیں پکارا تھا۔

"میں...؟" اس کے خاموش لبوں کا سوال آنکھوں میں لکھا تھا۔

"وضو کر کے یہ دوپٹا اوڑھ لو۔"

کچھ دیر بعد وہ دادی کے ہمراہ سفید ململ کا دوپٹا اچھی طرح اپنے گرد اوڑھے بڑے کمرے میں داخل ہوئی تو نہ جانے کتنی نگاہیں اس کی جانب اٹھی تھیں۔ ثوبیہ نے تھوڑا سا کھسکتے ہوئے اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی تھی۔

اس نے گود میں رکھا سیپارہ آہستگی سے کھولا اور لرزتی انگلی سیاہ موٹے حروف پر رکھ دی۔ "آج کے دن پاپا ہم سے بچھڑے تھے" اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہونے لگی۔ "آج کے دن میں یتیم ہوئی تھی" الفاظ دھندلائے تو وہ زور زور سے پلکیں جھپکنے لگی۔

"آج کے دن میرے سر سے باپ کا سائبان اٹھا لیا گیا تھا۔"

موٹے موٹے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلے تھے۔ آج پہلی بار وہ اس قسم کے محسوسات سے دوچار ہوئی تھی۔ سیپارہ ختم کرنے کے بعد وہ چہرہ صاف کرتی باہر نکل آئی تھی۔ صحن میں طویل دسترخوان لگا کے گاؤں بھر کی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سادہ سے حلیے والی عورتیں پیٹ بھرنے پر ڈکار لیتیں، با آواز بلند میر شاہ نواز کی مغفرت کی دعا کرتی اٹھ جاتیں۔

"منتی! یہاں کیوں کھڑی ہو بیٹا؟ اندر آجاؤ۔ دعا میں شریک نہیں ہونا؟" تائی اماں کے کہنے پر وہ گہری سانس

کھینچتی پلٹی، لیکن بڑے کمرے میں جانے کی بجائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ پھر کچھ سوچ کر ماما کا نمبر ملانے لگی۔

"ہیلو تنی! کیسی ہو میری جان؟" اس نے ہمیشہ کی طرح "میں ٹھیک ہوں ماما، آپ کیسی ہیں" کہنے کی بجائے بہت مدھم آواز میں پوچھا۔ "کیا کر رہی تھیں ماما؟"

"کچھ خاص نہیں بیٹا! بس ابھی کچھ دیر پہلے مارکیٹ سے واپس آئی ہوں۔ تمہاری ممانی جان نے کچھ شاپنگ کرنی تھی۔" صالحہ قدرے بشاش لہجے میں بولی تھیں۔ تنی کے اندر کچھ بجھا تھا۔

"ماما! آپ جانتی ہیں آج پاپا کی برسی تھی؟" اس کی آواز اب بھی بہت مدھم تھی اور لہجہ پست!

"تنی!" دوسری طرف وہ واضح طور پر ٹھٹکی تھیں۔ لیکن اس نے بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔

اگلے دو دن وہ اسی کیفیت کے زیر اثر رہی۔ ماما کا فون آتا بھی تو وہ مختصر بات کر کے "پھر بات کروں گی ماما" کہہ کر رابطہ منقطع کر دیتی۔ انہی روکھے پھیکے دنوں میں اچانک مہران اور ثوبیہ کے نکاح کا غلغلہ اٹھا۔

☼ ☼ ☼

اگلا دن خوب پر رونق اور ہنگامہ خیز تھا۔ معنی خیز سرگوشیاں، شادماں و فرحاں چہرے، چھپی چھپی مسکراہٹیں، شوخ قہقہے، رنگین لہراتے آنچل، ڈھول کی تھاپ پر لڑکیوں کا بڑے گول دائرے میں "جھمر" کا روایتی رقص!

غرض حویلی کے اندر قوس قزح کے سارے رنگ اتر آئے تھے۔ تنی کو ماما کے بغیر یہ سب بہت ادھورا بہت نامکمل لگ رہا تھا۔ وہ جو سمجھتی تھی کہ پاکستان جاتے ہی برسوں سے بیچ میں حائل غلط فہمیاں دور کر کے خاندان کے کٹے حصے کو پھر سے جوڑ دے گی، اب نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور لگ رہا تھا، کیونکہ ناگواری، غصہ، رنج، خفگی اپنی جگہ، لیکن یہ لاتعلقی دبے گا گئی کی انتہا تھی کہ حویلی میں کوئی ماما کا ذکر تک نہ کرتا تھا۔ ان تمام دنوں میں ایک بار بھی کسی کی زبان سے ان کا نام نہیں سنا تھا۔

اور جو کبھی وہ باتوں باتوں میں اپنا اور ماما کا کوئی ذکر چھیڑ بیٹھتی تو سب یا تو خاموش ہو جاتے یا پھر بڑی ہی بہت مہارت سے مسکراتے ہوئے بات بدل دیتیں۔ پھر ممتاز چچی کو کوئی کام یاد آنے پر یا آواز بلند ہیرو کی ماں کو جاتیں۔ کوئی بھیو ہوئی کوئی رد عمل، کچھ نہیں! لیکن یہ کب تک چلے گا؟

اس کی آنکھوں میں سجے خواب کی یہ تعبیر ادھوری تھی۔ اور "ادھورا پن" تنی میر کو کبھی پسند نہیں رہا تھا۔ خواتین کے گھیرے میں بیٹھی دادی کو دیکھتے ہوئے اس نے کچھ سوچا اور مطمئن ہو گئی۔

تائی اماں نے فنکشن میں پہننے کے لیے اس کا لباس خود منتخب کیا تھا۔ سرخ و سبز امتزاج کے چوڑی دار پاجامے کے ساتھ دھاگوں اور کٹشوں کے کام سے مزین لمبی گھیردار فراک! وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھیلائے اس "لباس فاخرہ" کو دیکھ رہی تھی۔

"میں یہ نہیں پہن سکتی۔" اس نے گویا جھرجھری لی تھی۔

"کیوں نہیں پہن سکتیں؟" ثوبیہ کو تیار کرنے کے بعد سامان سمیٹتی ثانیہ نے ابرو اچکائے۔

"میں نے ایسا ڈریس پہلے کبھی نہیں پہنا اور۔"

"تنی! تم نے پہلے کبھی پاکستان میں کسی کے نکاح کی تقریب میں شرکت کی ہے؟"

"نہیں!"

"نکاح کے بعد خواتین کو اپنے زرق برق دوپٹے کے پلو چھوہاروں کے لیے پھیلاتے دیکھا ہے؟"

"نہیں!"

"ڈھول کی تھاپ پر عبدالرافع اور گل کا بھنگڑا دیکھا ہے؟"

"ارے بھئی نہیں!"

"جب زندگی میں پہلی بار اتنا کچھ نیا دیکھ رہی ہو تو پھر پہننا بھی نیا ہونا چاہیے۔ بس مزید کوئی بحث نہیں چلے گی۔ جلدی سے کپڑے بدل کر آؤ پھر دیکھنا میں اپنا چچا ہاتھوں سے کیسے تمہارے اس حسن کو دو آتشہ بناتی ہوں۔"

اور واقعی ثانیہ نے کہنے سے کرنے تک کا مرحلہ جوا طے کر لیا۔

تنی سے اپنا آپ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ سلور کلر کی نئی جیل میں پاؤں پھنسائے، دونوں ہاتھوں سے فراک کو تھوڑا سا اوپر اٹھا کر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ چٹیا کی شکل میں بندھے سلکی بال اس وقت خوب صورت انداز میں سیٹ کیے ہوئے تھے۔ ہلتے جھمکے اور کلائیوں میں کھنکتی چوڑیاں اس کے اندر عجیب سا احساس جگا رہے تھے۔

دادی نے اس کی بلائیں لیں تو تائی اماں اور ممتاز چچی نے خوب دل کھول کر تعریف کی۔ اس کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھری گئی تھی۔

فنکشن کا انتظام باہر صحن میں کیا گیا تھا۔ زیادہ گیدرنگ نہیں تھی۔ افراد خانہ کے علاوہ چند ایک قریبی دوست مدعو تھے۔ پھر بھی اچھی خاصی رونق لگ گئی۔

ثانیہ وغیرہ کا گول دائرے میں تالیوں اور چٹکیوں میں مخصوص رقص انجوائے کرتی خوب تالیاں پیٹ رہی تھی۔ گلاب اور موتیے کے پھولوں سے سجے جھولے پر ثوبیہ کے ہمراہ بیٹھے مہران سے رہا نہیں گیا تو اٹھ کر دائرے میں شامل ہو گیا۔

تنی کو دانستہ دعوت نہیں دی کہ جس طرح وہ اپنے لباس اور جوتوں کی وجہ سے بچ بچ کر قدم اٹھا رہی تھی لگتا تھا کہ جیسے ننگے پاؤں رکھی اینٹوں پر چل رہی ہو، ذرا سی بے احتیاطی ہوئی نہیں اور وہ دھڑام سے نیچے لڑھکتا۔ اسے احساس ہوا وہ مسلسل کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے۔ جب اس نے چہار اطراف نظریں دوڑائیں لیکن سب اپنی اپنی دھن میں مگن تھے۔ تب ہی اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر سیاہ شلوار قمیص پر اپنی مخصوص چادر ایک کندھے پر ڈالے شعیب پر پڑی۔ جو کسی سے بات کرنے کے ساتھ ساتھ ایک آدھ سرسری نظر اس پر بھی ڈال لیتا اور یہ ایک آدھ "سرسری" نظر پتھر میں شگاف ڈالنے کے برابر تھی۔ تنی عجیب احساس سے دوچار ہوتی رخ موڑ گئی۔

تب ہی اسے خیال آیا کہ اس حلیے میں اپنی ایک اچھی سی تصویر کھنچوا کر ماما کو سینڈ کرے۔ وہ یقیناً اسے اس روپ میں دیکھ کر حیران رہ جائیں گی۔ اپنے اس خیال کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے اس نے پاس سے گزرتے ایک لڑکے کو آواز دے کر روک لیا۔

"ایکسکیوزمی پلیز!"

لڑکا مہران کے دوستوں میں سے تھا۔ پلٹ کر نسوانی آواز کے تعاقب میں دیکھا اور دل و جان سے متوجہ ہوا۔

"میری ایک تصویر اتار دیں گے پلیز؟" اپنا سیل فون اس کی جانب بڑھاتی وہ شائستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"ضرور کیوں نہیں۔"

"دیکھیں! تصویر اس اینگل سے کھینچیں کہ سر سے لے کر پاؤں تک سب کچھ آجائے رائٹ؟" وہ تھوڑا سا دور ہٹ کر اسے ہدایت دیتی اپنے دوپٹہ درست کرنے لگی۔ لڑکا فرصت سے اپنے سامنے کھڑی اپسرا کو دیکھے گیا جو ناز ی بن سے دوپٹہ ادھر سے ادھر ڈالتی غالباً "اسے سیٹ" کر رہی تھی۔

میر شعیب نے یہ منظر دیکھا اور دیکھ کر سر تا پا سلگ کر رہ گیا۔ پیشانی پر ابھرتی ناگواری کی بیزار شکنیں وہ چند قدم چل کر اس تک آیا تھا۔

"عمران! یہ مجھے دو اور تم جاؤ۔"

خشک انداز میں کہتا وہ ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے موبائل لے چکا تھا۔ لڑکا جی بھر کے بدمزا ہوا۔ جبکہ وہ اب حیرت سے آنکھیں پھیلائے کھڑی تنی سے دانت پیستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں تصویریں کھنچوانے کے لیے اس پوری تقریب میں صرف یہی ایک ملا تھا؟"

"وائس رونگ ود یو میر شعیب! میرے ہر کام میں مداخلت کرنا آپ نے اپنا حق کیوں سمجھ رکھا ہے؟" حیرت کی جگہ ناگواری نے لے لی تھی۔ وہ ابھی اس دن والی انسلٹ بھولی نہیں تھی۔

"آپ کے کام ہی ایسے ہوتے ہیں محترمہ!"
"بہرحال دوسروں کے معاملات میں انٹرفیر کرنے سے پہلے انسان کو سوچ لینا چاہیے کہ وہ آپ کی مداخلت پسند کرتا بھی ہے یا نہیں؟"

اس کے ہاتھ سے اپنا سیل فون لے کر، وہ پرانا حساب چکاتی دونوں چٹکیوں سے فراک تھوڑا سا اوپر اٹھائے اس کے پہلو سے نکل گئی تھی۔

جبکہ وہ وہیں کھڑا حیرت سے اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔ وہ غصے سے تیز تیز قدم اٹھاتی دھم سے ثوبیہ کے قریب جھولے پر بیٹھ گئی تھی۔

"تمہارا چہرہ اتنا تپا تپا کیوں لگ رہا ہے؟ خیریت؟"

ثوبیہ کے استفسار پر اس نے یونہی ماتھے پر گرے بالوں کو جھٹکتے ہوئے گویا اسے ٹالنے کی سعی کی تھی۔

نیچے دری پر ڈھولکی لے کر گاتی میراثن نے منٹوں میں اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی تھی۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ایسے میں اس کی گود میں گنگناتے موبائل نے بہت مشکل سے اسے اپنے مسلسل بجتے رہنے کا احساس دلایا تھا۔ اسکرین پر "میڈونا کالنگ" جل بجھ رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر نسبتاً "تنہائی والے" گوشے میں چلی آئی۔

"کیسی ہو زی؟"

"ٹھیک، خوش اور مطمئن!" اس کا لہجہ اپنے کہے کی تصدیق کر رہا تھا۔

"سدا رہو!"

"جانتی ہو میڈونا! میں اس وقت اپنے پاپا کی حویلی میں ہوں۔ جہاں ملازموں کو ملا کر چوبیس سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔"

"اوہ! ڈونٹ ٹیل می یار!" میڈونا حیرت سے چیخی تھی۔

"زی! تم اتنے کراؤڈ میں کیسے رہ رہی ہو؟ تمہارا دم نہیں گھٹتا؟"

"میں بھی اسی کراؤڈ کا حصہ ہوں میڈونا! اور اسی کراؤڈ میں آ کر میرے اندر کی گھٹن کو باہر نکلنے کے راستے ملے ہیں۔"

وہ یونہی بات کرتے کرتے اپنے اور دادی کے مشترکہ کمرے میں آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک ہنگامہ خیز دن بالآخر اپنے اختتام کو پہنچا تو گہری سیاہ رات کی گمبھیرتا نے کائنات پر اپنا فسوں طاری کر دیا۔ پرسکون، ٹھنڈی چاندنی لٹاتا چاند آوارہ بادلوں کے ٹکڑوں سے آنکھ مچولی کرتا اپنے سفر پر گامزن تھا۔

"دادی! آج آپ بہت خوش ہیں نا؟" ضحیٰ لباس بدل کر آئی تو دادی کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کچھ سوچتے پایا۔ وہ اپنا تکیہ لے کر ان کے ساتھ ہی نیم دراز ہو گئی۔

"ہاں! بیٹا ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب اولاد کی خوشیاں بوڑھے ماں باپ کے ناتواں وجود میں خون بن کر دوڑتی ہیں۔" ان کے ضعیف جھریوں زدہ چہرے پر مخصوص مسکراہٹ ابھری تھی۔

"لیکن دادی! خوشیاں اگر ادھوری ہوں تو رگوں میں خون جمنے لگتا ہے۔ آپ کو نہیں لگتا سب کچھ پرفیکٹ ہوتے ہوئے بھی ادھورا تھا؟"

اس کی بات پر دادی کے چہرے پر تاریک سایہ سا گزر گیا تھا۔ جب وہ بولیں تو ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

"میرا شاہ نواز موجود نہیں ہے۔ مجھے اس کے بغیر خوشیاں تو کیا زندگی بھی ادھوری لگتی ہے۔"

"لیکن دادی! ان کا ہمارے درمیان موجود نہ ہونا خدا کی مرضی ہے۔ کوئی اور بھی تو ہے جو زندہ ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں۔"

دادی چونکی تھیں اور ضحیٰ کو لگا اب کھل کر بات کرنی چاہیے۔

"کیا شوہر کی وفات کے بعد عورت کا وجود اپنے سسرال والوں کے لیے اس قدر ممنوع بن جاتا ہے کہ اس کا نام تک کوئی زبان پر لانا پسند نہ کرے؟ رنجشیں، تلخیاں، غلط فہمیاں کہاں نہیں ہوتیں لیکن اس حد تک کہ رابطے اور رشتے کی کوئی راہ ہی نہ بچے! ابا

کیسی دادی؟"

اس کے اندر برسوں سے جنم لیتے سوال نوک زبان پر مچل رہے تھے، پھسل رہے تھے دادی بہت خاموشی سے اسے تکتی رہیں۔ اس کا گلا رندھ جاتا، آواز حلق میں اٹک جاتی، آنکھوں کے نم گوشے خود ہی ہتھیلیوں سے رگڑتی ہوئی اپنے سب سے پرانے زخم کا خود ہی اپنے ناخنوں سے کھرنڈ نوچتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ تھک کر چپ ہو گئی۔ تب دادی کے باہم پیوست لب وا ہوئے۔

"کیا جانتی ہو تم میر شاہ نواز کے بارے میں کہ وہ تمہارا باپ اور تمہاری ماں کا شوہر تھا؟ بس؟ تمہیں اس کے صرف دو رشتوں سے آشنائی ہے۔ وہ کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی، کسی کا دیور، کسی کا محبوب چچا تھا۔ اس کا وجود کتنا اہم اور رشتوں کی ڈور میں بندھا تھا۔ اسے زندگی نے اس دوراہے پر لا کھڑا کر دیا تھا کہ ایک رشتے کو بچانے کے لیے اسے اپنے سب رشتے چھوڑنے پڑے۔

ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا رواج نہیں تھا۔ اس نے اپنی کلاس فیلو صالحہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو ہم نے اس کے دل کی خوشی کے لیے ریت رواجوں کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ہمارے دل میں کوئی کدورت، گلہ، شکوہ نہیں تھا۔

خوشیوں سے لبریز دل کے ساتھ بڑی شان سے لے کر آئے۔ وہ آزاد فضاؤں میں اڑنے کی خواہش رکھنے والا ایسا پرندہ تھی جسے حویلی کی دیواریں پنجرے کی سلاخیں لگتیں۔

ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے والوں کو وہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سے تشبیہ دیتی، بڑی بھابھیوں کا چھوٹے دیور کے لاڈ اٹھانے کو خرابیٔ نیت گردانتی، مکمل ستر ڈھانپنے کی نصیحت کرنے والی ساس کا ہاتھ جھٹک کر دقیانوسی سوچ کی حامل بڑھیا قرار دیتی، چیخ چیخ کر علی الاعلان ہمارے پہناوے، رہن سہن، ہماری سوچ کا مذاق اڑاتی۔ اس کا مطالبہ واضح تھا وہ یہاں سے رہائی چاہتی تھی۔ اسے خاندانی سیٹ اپ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ اپنی مرضی کے مطابق اپنی الگ دنیا بسانا چاہتی تھی۔ تمہاری پیدائش بھی اس کی سوچ اس کا طرز عمل نہیں بدل پائی تھی۔ ماں باپ اس کی کم عمری میں ہی گزر گئے تھے۔ بڑا بھائی تھا تو غم روزگار میں الجھا ایسے میں اچھائی برائی کا فرق بتانے کے لیے اس کے پاس صرف بھابھی ہی تھی۔ رافعہ! انتہائی خود غرض اور مفاد پرست عورت! اپنے تھوڑے سے فائدے کے لیے کسی کو بہت بڑے نقصان سے دوچار کرنے کے لیے لمحہ بھر بھی نہ سوچنے والی۔ صالحہ کی سوچ، کردار، عمل اور زبان پر اپنی بھابھی کا گہرا اثر تھا۔ اس کے آئے روز کے جھگڑوں سے گھر کا سکون درہم برہم ہوتا گیا۔ ہم نے شاہ نواز کو اس کا مطالبہ مان لینے پر اکسایا اور اس نے اپنی شادی شدہ زندگی کی بقا کے لیے اپنی بیٹی کی زندگی کو ماں یا باپ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی اذیت سے بچانے کے لیے اس کا مطالبہ مان لیا ہمارا خاندان ٹوٹ رہا تھا سب بکھر رہا تھا۔ بہت تکلیف دہ دن تھا وہ جب وہ اپنی تین سالہ بیٹی اور بیوی کو لے کر یہاں سے رخصت ہوا تھا حویلی کی دیواروں کو چپ لگ گئی۔ وہ ساری رونق جو اس کے دم سے تھی نجانے کہاں ہوا میں اڑ گئی۔ یہاں صرف اس کی کمی تھی۔ سب ایک دوسرے کی دلجوئی کر کے زندگی کی گاڑی کو جیسے تیسے گھسیٹ کر معمول کی ڈگر پر لے آئے تھے۔

لیکن وہ وہاں بہت تنہا ہو گیا تھا بہت اکیلا! ہم سب کی جدائی نہ سہار سکا۔ میر شاہ نواز ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا۔ ڈاکٹر کہتے تھے اس کا دل بہت کمزور ہو گیا تھا۔ پہلا ہی اٹیک جان لیوا ثابت ہوا۔" لرزتی کانپتی، آنسوؤں میں ڈوبی آواز میں وہ اپنی زندگی کا سب سے تکلیف دہ باب ورق ورق کھول رہی تھیں۔ ضحیٰ ان کے سامنے بالکل ساکت بیٹھی تھی۔ مٹی کے کسی بے جان مجسمے کی مانند!

"جب رات کو سب سو جاتے تب وہ چپکے سے میرے کمرے میں آتا اور دونوں پاؤں پر آہستگی سے بوسہ لیتا۔ وہ سمجھتا تھا میں سوئی پڑی ہوں مجھے خبر نہیں، لیکن یہ اس کی بے خبری تھی۔ اور جس رات اسے

ہارٹ اٹیک ہوا وہ فون پر مجھ سے کہہ رہا تھا اماں! مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ میرے لب تشنہ ہیں۔ صبح اٹھتا ہوں تو سبزے پر چہل قدمی کرتے بابا دکھائی نہیں دیتے ' خستہ پراٹھے اور دودھ پتی کا ناشتا تیار کیے آوازیں لگاتی بھابھی سنائی نہیں دیتیں ' اپنے ساتھ زمینوں پر لے جانے کے لیے شعیب کے بازو اپنے کندھوں پر محسوس نہیں ہوتے۔ اماں! میں تو ایک دم خالی ہو گیا ہوں۔ ویران اور بنجر! میرے پاس آپ سب کی یادوں کی پونجی بچی ہے۔ جسے کسی مفلس کی مانند میں روز گنتا ہوں اور گن کر سنبھال لیتا ہوں۔"

دادی کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ ان کا بوڑھا وجود تیز جھکڑوں میں کمزور شاخ کی مانند لرز رہا تھا۔

"اور تم کہتی ہو ہم نے تمہاری ماں کو حویلی سے دور رکھ کر تنگ دلی کا ثبوت دیا ہے؟" ایک نظر اس کے پتھرائے ہوئے چہرے پر ڈالتیں وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے چہرہ خشک کرنے لگی تھیں۔ ثمی کی ساکت پلکوں میں ہلکی سی لرزش اتری "آئی ایم سوری بیٹا! فور ایوری تھنگ!" کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آکر ماما نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ تب وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ لیکن آج وہ ساری ان کہی جان گئی تھی۔ اس کی بے حد اسٹائلش ' طرح دار اور بے انتہا خوب صورت ماما نے اتنے سارے لوگوں کی زندگی میں خزائیں بھر دیں۔ ان کی زندگی کے سارے خوش نما رنگ نچوڑ لیے کیوں؟" اسے کسی پل قرار نہیں مل رہا تھا۔ وہ جلد از جلد ماما سے ملنا چاہتی تھی۔ اسے برسوں پرانے حساب بے باق کرنے تھے۔ اس نے بہت بے صبری سے صبح کا انتظار کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"صبح ابھی پوری طرح بے دار نہیں ہوئی تھی۔ فضا میں چڑیوں کی چہچہاہٹ گونج رہی تھی۔ اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر سب حیران رہ گئے تھے۔ ماما پر حیرت اور خوشی کا غلبہ ایک ساتھ چھایا تھا۔

"ثمی! میرے بچے تم یوں اچانک" وہ چائے کا کپ رکھ کر والہانہ اس کی جانب بڑھی تھیں۔

"ماما! میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔ پلیز اسے اتار دیجیے۔" عجیب عاجزانہ لہجے میں بولتی وہ ان سب کو دنگ کر گئی تھی۔ صالحہ نے رافعہ کو اور رافعہ نے صالحہ کو دیکھا تھا پھر دونوں نے نگاہیں اس پر مرکوز کر دیں۔

"ثمی! میری جان!" ماما کو اس کی متورم آنکھوں کی سرخی ہولائے دے رہی تھی۔

"ماما! آپ نے کہا تھا آپ کے حویلی والوں سے کبھی خوشگوار تعلقات نہیں رہے یہ کیوں نہیں بتایا کہ اس کے پیچھے اتنے ناخوشگوار حالات تھے؟ آپ نے کہا انہوں نے آپ کو کبھی بہو کی حیثیت سے قبول نہیں کیا یہ کیوں نہیں بتایا آپ نے بابا کے رشتوں کو کسی بھی حیثیت سے قبول نہیں کیا تھا؟ آپ نے کہا انہیں ہمارا امریکہ شفٹ ہونے کا فیصلہ ناگوار لگا تھا یہ کیوں نہیں بتایا کہ امریکہ شفٹ ہونے کے لیے بابا کو اپنے پیچھے کیا کچھ چھوڑنا پڑا تھا؟" وہ یک ٹک ماما کے چہرے کو دیکھتی یاسیت سے کہہ رہی تھی۔

"ثمی! تم ان لوگوں کی باتوں میں آکر اپنی ماں پر الزام تراشی کر رہی ہو؟ ارے اس ماں پر جس نے تمہاری خاطر کیا کچھ نہیں کیا؟" صالحہ کو گم صم دیکھ کر رافعہ ممانی آگے بڑھ آئی تھیں۔

"دوسروں کو جذباتی بلیک میل کرنا بند کریں ممانی!" وہ چیخی تھی۔ ممانی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"دوسروں کو غلط راہ دکھانے والے خائن کہلاتے ہیں خدا اور رسول ﷺ کی نظر میں آپ نے ہمیشہ ماما کے غلط اقدام کی حوصلہ افزائی کی۔ کبھی انہیں اچھائی کی ترغیب نہیں دلائی۔ صرف اس وجہ سے کہ ایسا کرنے سے آپ کا مفاد وابستہ تھا" اس کی نگاہوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ ملامت ' تاسف ' بے اعتباری!

"میں نے جو کچھ کہا تمہاری ماں کے بھلے کے لیے کہا۔" ممانی نے اپنے کاندھے جھٹکے تھے۔

"ہاؤ! بھلائی؟ آپ کی نظر میں بھلائی کے معنی یقیناً

کچھ اور ہوں گے۔ ماما کو ان کے سسرال والوں سے دور کر کے آپ نے ان کی بھلائی چاہی تھی۔ ٹھیک! بابا کے فوت ہونے کے بعد ان کی فیملی سے قطع تعلق کا مشورہ دے کر آپ نے ان کی بھلائی چاہی تھی۔ یہ بھی ٹھیک! لیکن ممانی! ماموں کے فوت ہونے کے بعد آپ کیوں ان کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے پاس نہیں گئیں؟ شوہر کی وفات کے بعد بھی ان کی بہن سے ناتا کیوں جوڑے رکھا؟ جو چیز دوسروں کے لیے غلط ہو آپ کے لیے صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟" رافعہ ممانی کے پاس اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ توبہ سے سر جھٹکتی ہوئی وہ پیچھے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔ ثمی گہری سانس کھینچتی ماما کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ہم گزرا وقت واپس لانے پر قادر نہیں ماما! لیکن جو وقت ہماری مٹھی میں ہے اس میں اپنے کیے کی تلافی تو کر سکتے ہیں نا؟" اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"پلیز! میرے ساتھ چلیے ماما! ان سے معافی مانگ لیجیے۔"

"نہیں!" صالحہ نے اضطراری حالت میں گھبرا کے بے ساختہ اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے۔

"ماما! پلیز" ثمی کی ملتجی نگاہیں ان کے چہرے پر جمی تھیں۔ انہوں نے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ ثمی کا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔

"تو آپ آج بھی اپنی پہلے والی روش پر قائم ہیں؟ آپ کو اب بھی اپنی جھوٹی عزت نفس اپنا پندار عزیز ہے؟ آپ نہیں جانتیں کسی کی خاطر کسی کو چھوڑنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ برسوں پہلے بابا نے آپ کی خاطر یہ تکلیف جھیلی تھی اور آج آپ نے مجھے اس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ لیکن میں آپ کو بتا دوں ماما! آپ مجھے کھو دیں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیں گی۔ کبھی اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی آپ کو۔ آواز سننے کو بھی ترس جائیں گی آپ میری۔"

عجیب ہیجانی انداز میں چلا کر کہتی وہ پلٹی اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔ ماما کے رویے نے اسے بہت دل برداشتہ کیا تھا۔ وہ بہت سی امید ڈھیر سارا مان لے کر ان کے پاس گئی تھی لیکن واپسی کے سفر میں اس کا دامن خالی تھا۔ وہ سارا راستہ ٹوٹنے بکھرنے کی کیفیت کے زیر اثر رہی۔

"کہاں گئی تھیں تم اتنی صبح؟" وہ گاڑی کا دروازہ بند کر کے پلٹی تو شعیب مجسم سوال بنا اس کی راہ میں حائل تھا۔

"گھر کا پہلا بچہ ہونے کی وجہ سے شاہنواز کی جان تھی شعیب میں اور وہ بھی تو اسے دیکھ دیکھ کر جیتا ' قلقاریاں مارتا ' خوش ہوتا ' کبھی باپ بیٹا ' کبھی چچا بھتیجا تو کبھی گہرے دوست! ان کا ایک دوسرے سے جڑا ہر رشتہ انمول تھا۔ شاہنواز کے یہاں سے جانے کا سب سے زیادہ اثر اسی نے لیا تھا۔ کھانا ' پینا ' ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا اور شاہنواز کے دنیا چھوڑنے پر تو اس نے جینا ہی چھوڑ دیا۔ بہت مشکل سے وہ زندگی کی طرف لوٹا ہے۔" بہت خاموشی سے اس کی نم آنکھیں اس کے سنجیدہ چہرے کا ایک ایک نقش کھوج رہی تھیں۔

(یہ سب آپ کی عنایات ہیں ماما) اس کے اندر زخم پھر سے رسنے لگے تھے۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے کہاں گئی تھیں اتنی صبح؟" ثمی کی پلکیں لرزیں اور لرز کر جھک گئیں۔

"میرا راستہ چھوڑ دیں میر شعیب! اس وقت میرا کوئی بھی لفظ آپ کو مطمئن نہیں کر پائے گا۔" وہ کنی کترا کر اس کے پہلو سے نکل گئی تھی۔

(تم اپنے رویے میں حق بجانب ہو میر شعیب) گزرے ان تمام دنوں میں شعیب کے کٹھور رویے کی وجہ سے اس کے دل میں کوفت ' بے زاری ' بے بسی ' خفگی اور ناگواری کا جو صحرا اگ آیا تھا اسی پل اسی لمحے وہاں ایک ٹھنڈا میٹھا چشمہ پھوٹ نکلا تھا۔

"وہ نہیں مانیں دادی! میں انہیں نہیں منا پائی۔" جائے نماز پر بیٹھی دادی کی گود میں پناہ ڈھونڈتی وہ بری طرح بکھری تھی۔

☆ ☆ ☆

CamScanner

کبھی کبھی ہوتا ہے ایسا کہ زندگی انسان کو اس مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔ جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ ختنی نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا وہ کبھی ان حالات سے دوچار ہو گی۔ وہ بہت بے چین اور مضطرب تھی۔ شب و روز اسی بے کلی کی نذر ہونے لگے۔ اس کے ساتھ سب کا رویہ روز اول سے ہی مشفقانہ اور اپنائیت بھرا تھا۔ لیکن اب اس کے سوچنے کا انداز پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ ایسے میں ان سب کی محبتیں اس کے اندر پشیمانی کا احساس اور بڑھا دیتیں وہ خطا کار نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو ان سب کا مجرم گردانتی۔ بہت غیر محسوس انداز میں وہ ان کے رنگ ڈھنگ اپناتی جارہی تھی۔

"اُفوہ! الماری بھری پڑی ہے ایک سے ایک کپڑوں سے لیکن پہننے کے مواقع ہی دستیاب نہیں۔"

الماری میں سر دیے کھڑی ثانیہ کپڑے نکالتی بیڈ پر ڈھیر کرتی جارہی تھی۔ ختنی نے ہچکچاتے ہوئے ایک جدید تراش خراش کا کاٹن کا سوٹ اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"یہ سوٹ میں لے لوں؟" خوشگوار حیرت میں گھری ثانیہ اور ثوبیہ بیک زبان بولی تھیں۔ "ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"تم پر تو یہ جچے گا بھی بہت" کل کے توصیفی لہجے پر وہ جھینپ کر ہنس پڑی تھی اور اگلے دن تائی اماں نے درزن کو بلا کر اس کے ناپ کے ڈھیر سارے سوٹ سلوانے کے لیے دے دیے۔ سرخ، نیلے، پیلے، کھلتے ہوئے رنگوں کی دیدہ زیب کپڑے! وہ ان کی محبت پر نم آنکھوں سے مسکراتی رہی۔

"صالحہ کو ایک طرف رکھو وہ شعیب! ہم اس وقت ختنی کی بات کر رہے ہیں اور تم جانتے ہو وہ اپنی ماں کے کسی بھی عمل کے لیے ہمارے سامنے جوابدہ نہیں۔ وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کر ہمارے پاس اس لیے نہیں آئی کہ ہم اسے اس کی ماں کے کیے کی سزا سنائیں۔ ہم سب کی یہی خواہش ہے کہ وہ تمہارے نام پر ساری زندگی اس حویلی میں مستحکم حیثیت سے رہے۔"

ختنی کے قدم دہلیز پر ہی ساکت ہوئے تھے۔ اس کا دل تیزی سے پروھڑکا اور ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا۔

"مجھے آپ کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔" وہ قطعی لہجے میں بولا اس کا دل مسل گیا تھا۔

"تم اسے صالحہ کی وجہ سے ٹھکرا رہے ہو؟" بابا نے ضبط سے پوچھا تھا۔

"میرے پاس اسے ٹھکرانے کے لیے اور بہت سی وجوہات ہیں بابا!"

"تم شاید بھول رہے ہو وہ شاہنواز کی بیٹی ہے" فرقان چچا نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ اس نے دیار غیر میں آزادی کی دلدادہ اپنی ماں کے زیر سایہ پرورش پائی ہے۔ کیا جانتے ہیں آپ کہ وہ اس تمام عرصے میں کس قسم کی زندگی گزارتی رہی ہے؟ کس قماش کے لوگوں سے اس کا واسطہ رہا؟ وہ جگہ جہاں مکر و فریب کے سنہری جال جابجا پھیلے ہوتے ہیں اس کی عقلمند ماں نے اسے ان سنہری جالوں سے دور رکھنے کی کوشش کی ہوگی! کچھ نہیں جانتے آپ اور مجھ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ میں آنکھوں دیکھی مکھی نگل جاؤں؟"

اور ختنی کو لگا وہ مزید ایک لحہ بھی یہاں کھڑی رہی تو اس کے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی۔

"اسٹاپ اٹ! خاموش ہو جائیں آپ کو کوئی حق نہیں ہے یوں کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کا۔"

دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی وہ پوری شدت سے چلائی تھی۔ وہ جو دروازے کی جانب پشت کیے کھڑا تھا پوری طرح اس کی طرف گھوم گیا۔ جبکہ کمرے میں موجود باقی نفوس کی رنگت متغیر ہو گئی تھی۔ ان کی متوحش نگاہیں ختنی کی جانب اٹھ گئیں لیکن وہ ان میں سے کسی کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

"میرے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے اس بات کی وضاحت پیش کرنا چاہیں گے آپ کہ کب آپ نے مجھے اپنی شامیں رنگین کرتے نائٹ کلبوں کی زینت بنے دیکھا؟ کب آپ نے مجھے ہوش و خرد سے بیگانہ سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے پایا؟ کب آپ نے مجھے بے راہ روی کے ہاتھوں اپنی عفت و عصمت کے بیچ سودا کرتے دیکھا؟ ہے کوئی ثبوت آپ کے پاس ان سب الزامات کا؟"

اس کے چہرے پر آنکھیں گاڑے وہ درشتگی سے بول رہی تھی۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول گئی تھی یاد تھا تو صرف اتنا کہ کوئی اسے اور اس کی ماں کو بیچ بازار میں رسوا کر رہا ہے۔

"اگر آپ خود کو پارسا اور باکردار سمجھنے میں حق بجانب ہیں تو صرف اس لیے کہ آپ نے حویلی کی چار دیواری کے اندر اپنے مضبوط رشتوں کی چھاؤں تلے پرورش پائی اور بدقسمتی سے مجھے یہ سب میسر نہیں رہا تو آپ کو لگا میں آوارہ اور بدکردار ہو گئی؟ لیکن آپ کے اندازے آپ کی سوچ آپ کو ہی مبارک ہو! مجھے اس بارے میں کوئی خوش فہمی نہ سہی پر اتنا اطمینان ضرور ہے کہ نادانستگی میں کی گئی لغزشوں کے سوا میں نے کبھی جان بوجھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس کا بوجھ لیے میں اپنے خدا کے سامنے سر نہ اٹھا سکوں۔"

اس کے نم لہجے میں اپنی ذات کا اعتماد جھلکا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو" وہ مسکرایا ہی تھی کہ وہ سر جھٹک کر استہزائیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"والدین کہتی ہیں میر شعیب کو میرے پاپا سے بے انتہا محبت تھی۔ یہ کیسی محبت ہے کہ انسان اس ہستی سے وابستہ رشتوں کو ہی ذلیل کرے جس سے وہ "محبت" کا دعویٰ کرتا ہے۔ محبت کا دامن تو بہت وسیع ہوتا ہے۔ اس میں "میں" کی گنجائش بہت آسانی سے نکل آتی ہے۔ جبکہ محبت کا لبادہ اوڑھے خود غرضی کا نجانے کون سا مقام ہے جہاں صرف "میں" کی حکمرانی ہے اور آپ کو تو شروع سے یہی لگتا تھا کہ میں اپنا کوئی گھٹیا مقصد پورا کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں میں اور میری ماما آپ کی نظر میں گھٹیا ہو گئیں تو یقیناً "ہمارے مقاصد بھی ہماری طرح ہی ہونے چاہیے تھے۔ آپ کو کیا لگتا ہے ہمارے پاس بینک بیلنس کی کمی ہے اور مجھے اس حویلی کی چکا چوند اور آبائی جائیداد میں حصہ لینے کی خواہش یہاں کھینچ لانے پر مجبور کیا ہے؟ لیکن میں آپ کو بتاؤں لازمی نہیں ہر ایک آپ کی سوچ جتنا گھٹیا ہو۔ مجھے ایک خاندان چاہیے تھا اپنے خونی رشتے چاہیے تھے۔ میرے لیے یہ احساس ہمیشہ ایک تازیانہ بنا رہا کہ میں ایک بروکن فیملی کا حصہ ہوں۔ بغیر جڑوں والے کسی کھوکھلے پیڑ کی مانند! جسے بدلتے حالات کی تندو تیز آندھی نجانے کب اکھاڑ پھینکے۔ پاپا موجود نہ سہی لیکن ان کا خاندان میرے لیے ایک مضبوط حوالہ تھا اور میں اسی حوالے سے پہچانی جاؤں یہی خواہش مجھے یہاں لائی۔" اس کی آنکھوں سے وہ شفاف موتی ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ لیکن اس نے سختی سے اپنے چہرے کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا۔

"لیکن میں خوش فہم تھی غلط تھی نہیں جانتی تھی کہ جن اپنوں کی چاہ مجھے یہاں لے آئی ہے ایک دن وہی اپنے مجھے کٹہرے میں کھڑا کر کے حالات کی کسوٹی پر پرکھیں گے غلط تھی میں خوش فہم تھی۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں روکتی الٹے قدم پیچھے ہٹی اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"ماما! آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟"

"اولاد کے لیے ماں کی محبت کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔"

"اس فلاسفی کو ایک طرف رکھ کر بتائیں آپ مجھ سے کتنی محبت کرتی ہیں؟" اس کے بچکانہ انداز پر ایک محظوظ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آٹھہری تھی۔ ڈنر کے بعد ان کا چائے پینے کا موڈ ہوا تو کچن میں چلی آئیں۔ اور ختنی بھی اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کرتی ان کے پیچھے آگئی تھی۔

"بتائیں نا ماما!" وہ اسٹول کھینچ کر ان کے قریب ریلیکس انداز میں بیٹھ گئی تھی۔

"ہوں! تو نل سے گرتے اس پانی کے قطروں کو گنا جاسکتا ہے، اس ڈبے میں موجود پتی کے دانوں کا شمار ممکن ہے، بڑے شوگر پاٹ میں بھری چینی کے دانوں کی گنتی بھی ہو سکتی ہے لیکن صالحہ اکرام کے دل میں

CamScanner

اپنی متاعِ حیات منحیٰ کے لیے محبت کے خزانے کا کوئی شمار کوئی پیمانہ نہیں۔"

"اوہ ماما!" اس نے ایک ساتھ ان کے کئی بوسے لے ڈالے تھے۔

"تسلی ہوئی؟" چائے کا مگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں! تھوڑی بہت۔" وہ شرارت سے ہنسی تھی۔ صالحہ اسے مصنوعی خفگی سے گھورتیں اپنا مگ اٹھائے کچن سے نکل گئیں اور ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی۔

"لیکن ماما! یہ کہتے ہیں نا کہ محبت کبھی کبھی آزمائش میں بھی ڈال دیتی ہے۔ اگر میری محبت میں آپ کو کسی آزمائش سے گزرنا پڑے مطلب کوئی ایسا کام کرنا پڑ جائے جو کہ آپ ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہتیں لیکن میری محبت سے مجبور ہو کر۔"

"میں ہر وہ کام کروں گی منحیٰ! جس کو کرنے کے لیے مجھے تمہاری محبت مجبور کرے گی۔" اس کی بات کاٹ کر وہ جذب سے بولی تھیں اور منحیٰ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بس مجھے پیمانہ مل گیا۔" صالحہ بے چینی سے سینہ مسلتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

گہری سانس کھینچتی وہ کھلی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئیں۔ گرد سے اٹے آسمان کے سینے پر ایک چیل تیر رہی تھی۔ فضا میں حبس رچا بسا تھا۔ پیڑ، پتے، پودے سب ساکن تھے۔ گرد سے اٹا ہر منظر مبہم اور الجھا ہوا تھا۔

وہ یہ اعداد و شمار بھول جانا چاہتی تھیں کہ کتنے دن ہو گئے انہوں نے منحیٰ کی آواز تک نہیں سنی، اس کا لمس محسوس نہیں کیا، اپنے سینے پر اس کی سانسوں کی مہک اترتی محسوس نہیں کی، اپنے ہاتھ کی پشت پر اس کے لبوں کا بوسہ محسوس نہیں کیا، کتنے دن ہو گئے انہوں نے خود کو جیتا جاگتا محسوس نہیں کیا۔

"اولاد چاہے ایک ہو یا دس اس کی جدائی پر کیا ہر ماں یونہی تڑپتی ہے؟"

"ماما! پلیز!" یہ ملتجی لہجہ ان کی سماعتوں میں گھر کر گیا تھا۔ وہ کیسے اس کی بات مان لیتیں۔ کہاں سے لاتیں اتنا ظرف کہ وہ ان لوگوں کے سامنے کھڑی ہو سکیں، ان سے نظریں ملا سکیں۔ معذرت کا لفظ تو بہت چھوٹا اور معمولی ہے۔ وہ کیسے اس معمولی لفظ کا سہارا لے کر اپنے گزشتہ رویوں، لغزشوں، نادانیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کی تلافی کر سکتی ہیں؟

وہ جانتی تھیں منحیٰ اگر حویلی گئی تو وہ سادہ لوگ اسے محبت، اپنائیت اور خلوص سے اپنا بنا لیں گے۔ ایک نہ ایک دن وہ ضرور ان کی ہمنوا بن کر ان کے سامنے کھڑی ہو گی۔ ایسے میں وہ کیا کریں گی؟ کچھ تو ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔

یہاں سے جانے کے بعد اپنے محبوب شوہر کو ولن کے آخری سرٹیرس پر شکستہ سگریٹ پھونکتا اور تین سالہ بچی کو سینے سے لگائے مسرور سی کیفیت میں حویلی کے قصے سناتا دیکھ کر ان کے اندر ایک عجیب سا احساس ندامت سر ابھارتا۔ لیکن بہت مختصر عرصے میں ان کی وفات کے بعد احساس ندامت کی جس کونپل نے سر اٹھایا تھا، اپنی موت آپ مر گئی۔

اس شتر بے مہار معاشرے میں انہوں نے جان بوجھ کر ایسے لوگوں سے روابط بڑھائے جن کے ساتھ دوستی اور تعلق داری بوقت ضرورت ان کے لیے فائدہ مند ہو۔ لیکن دوست، احباب، کولیگ، پڑوسی خواہ کتنے اچھے سہی حقیقی اور شرعی رشتوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتے۔

سسرال سے دور اپنی الگ دنیا بسانے کی خواہش رکھنے والی صالحہ اکرام اگر جان لیتیں ایک دن ان کا یہ فیصلہ انہیں یوں تنہا کر دے گا تو وہ کبھی یہ فیصلہ نہ کرتیں۔ ان کے دل کی رونق، ان کے زندہ رہنے کا جواز ان کی بیٹی ان سے بہت دور ہو گئی تھی۔

"آپ مجھے کھو دیں گی ماما! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیں گی۔"

"ایسا مت کہو میرے بچے! ماما مر جائیں گی۔" حلق میں اٹکی سسکی نے آج نوک زبان کو چھو لیا تھا۔ منحیٰ کے لیے اپنا مضطرب دل سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کا جسم بری طرح دکھ رہا تھا اور سر شدت درد سے پھٹنے کے قریب۔ کثرت گریہ سے آنکھیں بے حد سوج چکی تھیں اور اسے اپنے پورے چہرے پر ہلکا سا ورم محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے کمرے کے مقفل دروازے پر اب بھی دستک ہو رہی تھی۔ بہت محبت سے اس کے نام کی پکار پڑ رہی تھی۔ لیکن اسے لگا وہ سب مجھے دل ملامتیں کر رہے ہیں۔ "مجھے اپنے بابا کی حویلی میں رہنا ہے پورے حق کے ساتھ۔"

اس کا گھٹنوں سے اٹھا سر اس وقت گھٹنوں پر گرا تھا۔ کتنے بڑے الفاظ، اتنے بڑے اندازے، اتنی بڑی سوچ میرے متعلق!

یہ احساس اس کی جان نکال گیا تھا۔ کتنی آسانی سے اپنی ذات کی دھجیاں اڑا کر گئے۔ اس کا مان کرچی کرچی کر گیا یا اس کی عزت نفس کچل گئی۔

دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اگر میر شعیب یہ سب سوچ سکتا ہے تو باقی سب کیوں نہیں؟ ہاں وہ بھی تو اس کے بارے میں یہی کچھ سوچتے ہوں گے۔ اگر پہلے کبھی نہیں بھی سوچا تو اب میر شعیب کی باتیں ضرور انہیں ایسا سوچنے پر مجبور کر رہی ہوں گی یا شاید مجبور کر چکی ہوں۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں! میرے اندر اتنا حوصلہ نہیں۔" اضطراری انداز میں ادھر سے ادھر ٹہلتی وہ اس وقت خود کو دوراہے پر کھڑا محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا اور ماما کے پاس بھی نہیں جانا۔ کسی کو میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی وہ ایک ان چاہا فیصلہ کر چکی تھی۔ کتنی دیر سے مقفل دروازے کی چٹخنی کھلی اور ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ وا ہو گیا۔ دل شکستہ و ریخت کے سارے مراحل گزار کے ایک بار پھر خود اعتمادی کا پیراہن اوڑھے باہر آئی تھی۔

"منحیٰ ۔۔۔!" دادی دیوانہ وار اس کی جانب لپکی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں تھاما چرمی بیگ انہیں اندیشوں کی نذر کر گیا۔ ایک دن وہ بھی تو یونہی حویلی سے چلا گیا تھا پھر کبھی لوٹ کر نہیں آیا اور اب منحیٰ ۔۔۔ نہیں! ان کا لرزتا کانپتا ہاتھ اس کے کندھے پر آن رکا تھا۔ اس کے نیچے لو دیتا احساس واضح تھا۔

"تمہاری معذرت یا شرمندگی اس اذیت کا احساس کم نہیں کر سکتی جو تمہیں جھیلنی پڑی۔ لیکن پھر بھی بیٹا اگر ہو سکے تو ہمیں معاف کر دو۔ جو بھی ہوا غلط ہوا اس کا ایک ایک لفظ جھوٹ تھا بکواس تھا۔"

تایا ابا کی نم آنکھوں نے اس کے معصوم چہرے کا بوسہ لیا تھا۔

"وہ خود تم سے معافی مانگے گا۔" تائی اماں شرمندگی سے چور لہجے میں دلگرفتی سے بولیں۔ فرقان چچا نے اپنے تئیں اس کی دلجوئی کرنے کی سعی کی تھی۔ عبدالرافع، مہران سینے پر بازو باندھے بہت ملول اور افسردہ کھڑے تھے۔ گل کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"منحیٰ! پلیز مت جاؤ!"

بے بسی سے لب کاٹتی ثانیہ کی نگاہوں نے اس سے التجا کی تھی۔ آہستگی سے نفی میں سر ہلاتے منحیٰ بہت افسردگی سے مسکرائی تھی۔ ٹوٹی بے جان مسکراہٹ۔

"دنیا میں کچھ چیزیں ہمارے لیے نہیں ہوتیں۔ میں یہ بات اب سمجھ چکی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

تیری قربت کے لمحے پھول جیسے
اور پھولوں کی عمریں مختصر!

ایسا بھی ہوتا ہے کہ بالکل سامنے کی بات انسان کو سمجھ میں نہیں آتی اور وہ اپنا ذہن ادھر ادھر بھٹکاتا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی تو یہی ہوا تھا۔

وہ جو کہتا تھا کہ اسے منحیٰ میر کی ذات سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ جیے یا مرے اس کی جانے بلا! لیکن

ایک لمحہ اس پر منکشف کر گیا کہ وہ تو خود کو دھوکہ دیتا رہا ہے اگر اس کے نزدیک واقعی ضحیٰ کی کوئی اہمیت نہیں تو اسے اوٹ پٹانگ مغربی لباس میں دیکھ کر اسے اتنا برا کیوں لگتا تھا؟

مہران کے نکاح کے فنکشن میں اسے تصویریں بنواتا دیکھ کر کیوں دل چاہا تھا کہ وہ عمران کو اٹھا کر کہیں دور پھینک آئے؟ وہ رویہ سڑک کے بیچ و بیچ اسے گھوڑے سے اتار کے تنہا جاتے ہوئے اس کا دل کیوں اس سے لڑ پڑا تھا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ پہلے ہی قدم پر اس سے اپنا وجود منوا چکی تھی۔ غلط یہ تھا کہ اسے بہت غلط موقع پر اس کا احساس ہوا۔ جب وہ اس کے ساتھ اتنا کچھ غلط کر چکا اتنا کچھ غلط کہہ چکا۔

اسے اپنے کہے الفاظ یاد آتے تو دل چاہتا خود کو ختم کر دے۔ اپنی زبان کاٹ پھینکے "آنکھیں نوچ ڈالے سچ تو کہہ رہی تھی کہ وہ کیا جانتا تھا وہ اس کے بارے میں؟ محض "اندر کی بھڑاس" پست ہوتی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے اتنا بڑا تماشا لگا دیا اس کی ذات کا۔ وہ کیوں اس سے اتنی خار کھاتا تھا کہ اس کی ماں کی وجہ سے اس نے اپنے ایک عزیز رشتے کو ——— کھو دیا۔ لیکن یہ محرومی تو اس کی زندگی میں بھی آئی تھی۔ اس نے بھی تو اپنا باپ "باپ سے وابستہ رشتے سب کچھ کھویا تھا۔ ان گنت محرومیاں تو اس کی زندگی میں آئی تھیں تو پھر وہ کس محرومی کا واویلا مچاتا رہا؟ محبت کے نام پر خود غرضی دکھاتا رہا۔

ضمیر کے آئینے پر پڑی برسوں کی گرد ضحیٰ میر کے آنسوؤں کے چھینٹوں سے مٹنے لگی تھی۔ وہ آئینے میں ابھرتا اپنا عکس دیکھ کر سن سا بیٹھا تھا۔

"میں اور میری ماں آپ کی نظر میں گھٹیا جو ٹھہرے۔" اگر میں خود کو اس کی جگہ پر رکھوں اور کوئی میری ماں کے بارے میں ایسے الفاظ کہے تو۔ جسم پر رینگتی چیونٹیاں بھاگنے لگی تھیں۔

"لازمی نہیں ہے کہ ہر ایک آپ کی سوچ جتنا گھٹیا ہو۔" کتنا سچ بول گئی تھی وہ اس کا ایک ایک لفظ سچ تھا اس نے اعتراف کیا۔ لیکن وہ خود کو انگاروں پر چلتا محسوس کر رہا تھا۔ ضحیٰ کی آنکھوں کا گلابی پن اور ٹوٹتی سسکیاں "اپنی ذلت کے دفاع کے لیے بھڑکا سے گردن کی ابھری نسیں!

اسے چاروں اور ضحیٰ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا نہ کچھ سنائی دے رہا تھا وہ وحشت زدہ سا اٹھ کر ... "میرے دل کا قرار اسے نہیں لوٹنے گا جب تک وہ بے ساختگی سے تالیاں پیٹتی "آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے "محبتیں لٹاتی "محبتیں دریا کرتی ضحیٰ میرے اپنے ایک ایک لفظ کی معافی نہ مانگ لوں ہاں! میں سب کے سامنے اس سے اپنے بدصورت الفاظ "مکروہ رویے اور غلط سوچ کی معافی مانگوں گا۔

☼ ☼ ☼

یہ ورق ورق تیری داستان "یہ سبق سبق تیرے تذکرے

میں کروں تو کیسے کروں الگ تجھے زندگی کی کتاب سے

کتنے برس بیتے "موسموں نے کروٹیں بدلیں برسات کی رت نے رخصت چاہی خزاں نے چہار سو اپنا ڈیرہ جما لیا۔ بے شمار زرد سوکھے پتے خیال کی ٹہنی سے جدا ہو کر بکھرتے رہے "اڑتے رہے۔ پیڑوں کی ٹنڈ منڈ برہنہ شاخیں بہار کا رستہ تکنے لگیں۔ باد صبا کے سنگ جھونکے اپنے ساتھ بہار کی آمد کا سندیسہ لائے تو کوئل کوکنے لگی تھی۔ آم کے پیڑوں پر بور اترا تو شہد کی مکھیوں کی یلغار بڑھ گئی۔ ایک بار پھر وہی بدن پر سحر طاری کرتا موسم دستک دے رہا تھا۔

ان کے قدم خود بخود جانے پہچانے رستوں پر اٹھنے لگے۔ قدموں نے خود ہی راستوں سے برسوں کی شناسائی کا سفر طے کر لیا تھا۔ دھیان کے طاقچے میں رکھی یادیں انگڑائی لے کر بیدار ہو گئیں۔ پر شکوہ حویلی کی مغرور اٹھی ہوئی گردن نے آج بھی اپنا سر خم کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا تھا۔ وہ بے تکے قدم اٹھاتی آگے بڑھتی رہیں یہاں تک کہ برسوں پرانے ٹھٹھرے قدم روک دیے۔ وہ سب آج بھی مالا میں پروئے موتیوں کی مانند ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

"صائمہ" حیرت بھری بے یقین نگاہیں۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوب صورت تھیں۔ شاندار اور چھا جانے والی! ایلین چال کی شگفتگی نے حسن گہنا دیا تھا۔ بنا کسی کی طرف دیکھے انہوں نے جھک کر اپنے مخصوص تخت پر بیٹھی دادی جان کے پیروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ سب اپنی اپنی جگہ ششدر رہ گئے تھے۔ ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ لیکن بعض اوقات بنا کچھ کہے سارے اعتراف اپنا وجود منوا لیتے ہیں۔

دل پہ دھرا سارا بوجھ آنسوؤں میں ڈھلتی بے ربط ہچکیوں کی صورت اتار کے انہوں نے طویل عرصے بعد کھل کر سانس لی تھی۔ ثوبیہ سکنجبین بنانے کے لیے کچن کی جانب بھاگی۔

"بی بی! ضحیٰ کہاں ہے؟" ان کی ساری پیاس آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

"کیا ـــ؟" فق ہوتے چہرے "متوحش نگاہیں! انہیں کسی گزند کا احساس دلا گئے تھے۔

"بی جان! پلیز مجھے بتائیں ضحیٰ کہاں ہے؟"

"ضحیٰ! تمہارے پاس نہیں آئی ـــ؟" ان کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

"نہیں ـــ" میرے پاس کہاں وہ تو مجھ سے خفا تھی۔" اندر بڑھتے میر شعیب کے قدموں سے کسی نے زمین کھینچ لی تھی۔ وہ الٹے قدم پیچھے ہٹا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

سنو!
تم بڑے سہانے ہو
ہمارا ساتھ چھوڑے رکھتے ہو
تمہیں تو کچھ بھی نہیں ہو گا
مگر دیکھو!
جسے تم چھوڑے جاتے ہو
اسے تو ٹھیک سے شاید
بچھڑنا بھی نہیں آتا

جسم سے جان نکلنے والے محاورے کی صداقت پر اسے آج یقین آیا تھا۔ وہ انتہائی ریش ڈرائیونگ کرتا پاگلوں کی طرح اسے تلاش کر رہا تھا۔ جس کے بارے میں وہ اگر سوچتا کہ وہ اسے دوبارہ کبھی نہیں دیکھ پائے گا تو اس کی سانس سینے میں اٹکنے لگتی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ میں یہاں سے کیسے جاؤں گی؟" ہرنی جیسی آنکھوں میں سراسیمگی بھرے وہ سراپا سوال بنی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ آسمان سرمئی بادلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ فضا کا رنگ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ بادلوں کا ایکا دیکھ کر لگتا آن کی آن میں برس پڑیں گے۔ وہ اس موسم میں انجان رستوں پر بھٹکتی نہ جانے کس سمت نکل گئی ہو گی؟ شعیب کا دماغ پھٹنے لگا۔

"وائس رونگ ود یو میر شعیب! میرے ہر کام میں مداخلت کرنا آپ نے اپنا حق کیوں سمجھ رکھا ہے؟"

"پلیز ضحیٰ! کہیں سے آ جاؤ۔ تمہارے سب سوالوں کا جواب دے دوں گا۔" وہ ایک ہاتھ سے

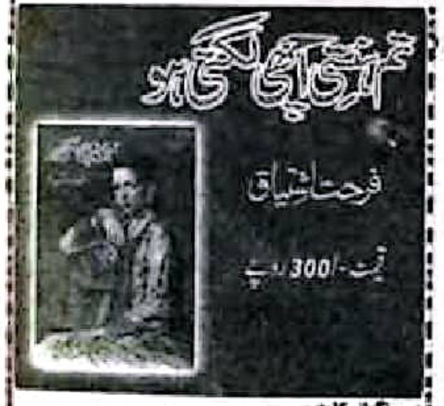

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

اسٹیئرنگ سنبھالے دوسرے کی بند مٹھی ہونٹوں پر ٹکائے اپنی زندگی کے مشکل ترین مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"شکر! آپ نے مجھے اپنے خاندان کا حصہ تو تسلیم کیا۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں تم میری ذلت کا حصہ ہو۔" ہوا نے پانی سے لدے بادلوں کا بوجھ سہارنے سے انکار کیا تو تڑ تڑ بوندیں برسنے لگیں۔ ہوا کی شوریدہ سری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

وہ سہ پہر کب کی ڈھل چکی تھی۔ لیکن اس وقت سہ پہر کے سنہری رنگ پر گہری کالی رات کا رنگ چھاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک اس کا پاؤں بریک پر پڑا تھا۔ اسے سڑک کے کنارے ایک بڑے سے کٹے پتھر پر بارش میں بھیگتی دکھائی دی کسی بے جان مجسمے کی مانند۔

"منی!" وہ اس کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا تھا۔

"میں میر شاہ جہاں کے سب سے چھوٹے بیٹے میر شاہنواز کی اکلوتی بیٹی کو لینے آیا ہوں۔"

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ منی نے محض ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا پھر رخ پھیر لیا تھا۔ بارش کی بوندیں اس کے سر سے پھسلتی تھوڑی سے ایک تواتر سے گرتی چلی جا رہی تھیں۔ شفاف موتیوں کی لڑی کی مانند۔ "پلیز منی!"

"جانتے ہیں میر شعیب! اگر بے حسی کا کوئی پیمانہ ہوتا تو میں آپ کو ناپ کر بتاتی کہ آپ اس وقت بے حسی اور سنگدلی کی کس حد پر کھڑے ہیں۔" اس کی بھیگی آواز پر بارش کا شور غالب آگیا تھا۔

"میں سب جانتا ہوں منی! اور اگر تم اس وقت یہ سارے پتھر اٹھا کر مجھے دے مارو، پھر بھی میں اف نہیں کروں گا۔ بلکہ خاموشی سے اپنی جان دے دوں گا۔ لیکن میں جانتا ہوں ایسا کر کے بھی تمہارے جسم اور روح پر لگے زخموں کا مداوا نہیں ہوگا۔" وہ جیسے اس کی کوئی بات نہیں سن رہی تھی۔

"میرا کوئی گھٹیا مقصد نہیں تھا۔ میں کسی کو تکلیف پہنچانے نہیں آئی تھی۔" وہ اب بھی اسے اس کی باتیں یاد دلانے کی بجائے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ بارش کا شور بڑھتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں کا گلابی پن بھی میر شعیب کا دل چاہا اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں وار دے۔ اس نے بے ساختہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔

"میں نہیں جانتا اپنی شرمندگی، ندامت، معذرت کا اظہار کیسے تم سے کروں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں، مجھے محبتوں نے گندمی لڑکی کا محبتوں پر، رشتوں پر اعتبار بحال کرنا ہے۔ اسے بتانا ہے کہ اس کا پاکستان آنے کا فیصلہ غلط نہیں تھا اس کا حویلی سے رشتہ آج بھی مسلم ہے۔ سب اس سے محبت کرتے ہیں اور اب اور وہ حویلی میں بستے میر شعیب کے دل میں بستی ہے۔"

منی کو نہ جانے کیا ہوا اسی کے ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ وہ دونوں اس وقت بارش میں بری طرح بھیگ چکے تھے۔

اس کا بیگ پچھلی نشست پر رکھنے کے بعد شعیب نے اپنی چاکلیٹ کلر کی چادر اس کے کندھوں پر پھیلا دی۔ جسے اس نے اچھی طرح اپنے گرد پھیلا کر اوڑھ لیا۔

بے چینی، اضطراب، خوف، واہمے! یہ سارے آکٹوپس صالحہ کو اپنے شکنجے میں جکڑنے کے لیے بے تاب تھے۔ لیکن شعیب کی ہمراہی میں قدم اندر رکھتی منی کو دیکھ کر وہ تڑپ کر اٹھی تھیں۔

"منی! میرا بچہ۔" وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی تھی پھر بھاگتے ہوئے ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

"چھوٹوں کے ہاتھ میں تھامے ننھے منے لیمپ بعض اوقات بڑوں کو راہ دکھانے کے لیے مشعل ثابت ہوتے ہیں۔"

اس کے بالوں کی نمی اپنے رخسار پر محسوس کر کے وہ طمانیت سے مسکرائی تھیں اور اس کے کندھوں پر پھیلی چادر سب کو یقین دلا گئی تھی کہ میر شعیب اس کی عدالت میں سرخرو ہو چکا ہے۔

☆ ☆

CamScanner